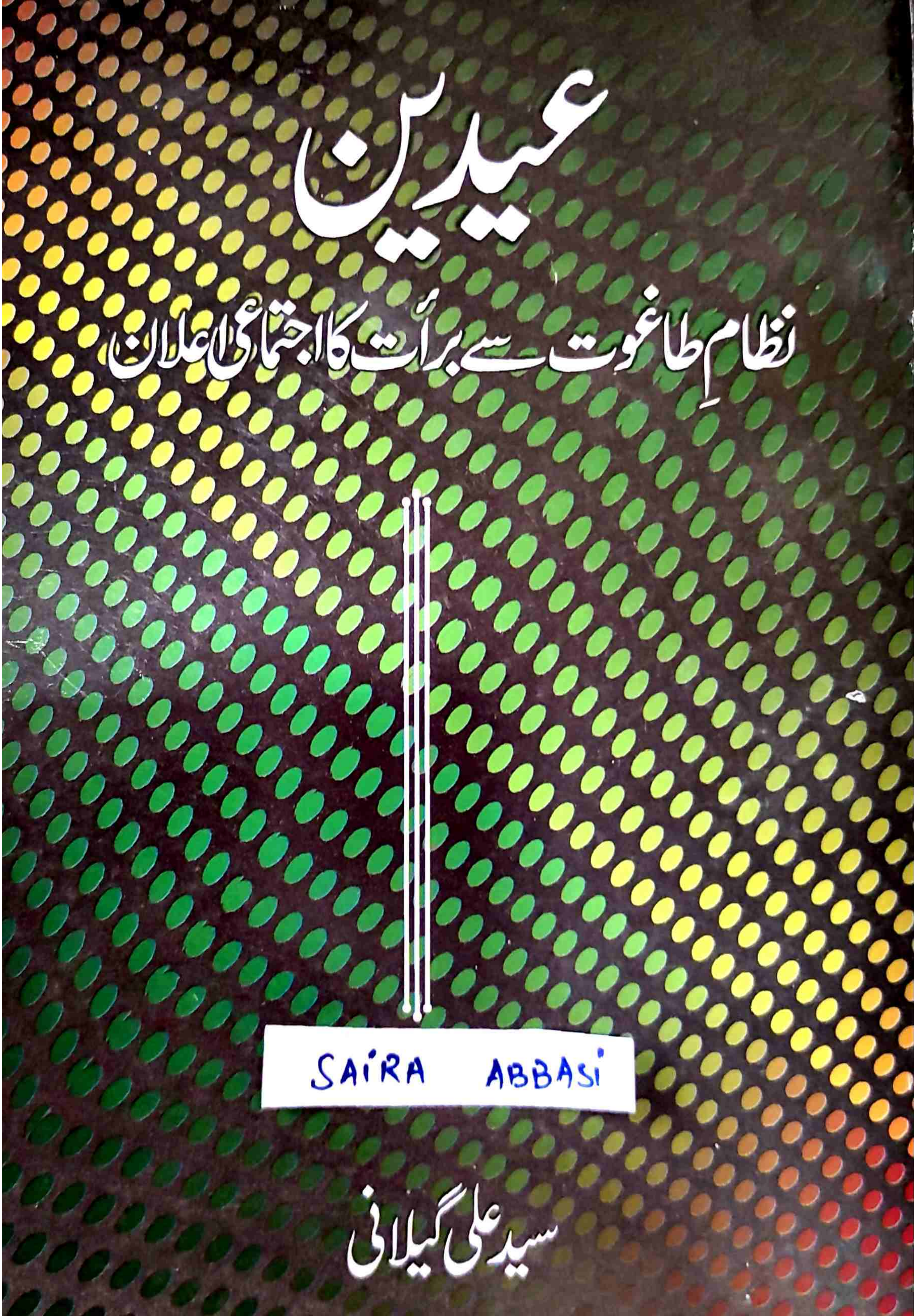

عیدین

نظامِ طاغوت سے برأت کا اجتماعی اعلان

SAIRA ABBASI

سید علی گیلانی

عیدین

نظامِ طاغوت سے برأت کا اجتماعی اعلان

سیّد علی گیلانی

SAIRA ABBASI

ناشر
مرکزی مکتبہ تحریک حریت جموں کشمیر حیدرپورہ

فہرست عناوین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	عرض مرتب	6
۲	ابتدائیہ	8
۳	عیدالفطر ۲۰۰۵	12
۴	عیدالفطر ۲۰۰۶	20
۵	عیدالفطر ۲۰۰۹	40
۶	عیدالاضحیٰ ۲۰۰۴	58
۷	عیدالاضحیٰ ۲۰۰۸ اور حالات حاضرہ	96
۸	عیدالاضحیٰ ۲۰۰۹ اور حالات حاضرہ	134
۹	۲۷ نومبر ۲۰۰۹ کوڈورو سوپور میں جمعہ خطاب	148
۱۰	۲۸ نومبر ۲۰۰۹ عیدالاضحیٰ، جامع سوپور میں خطاب	158
۸	عیدالاضحیٰ ۲۰۱۰	182

SAIRA ABBASI

بسم اللہِ الرّحمٰنِ الرّحیم ٥

عرضِ مرتب

آج ہم خدا کے فضل و کرم سے قائد انقلاب محترم سیّد علی گیلانی کے کچھ تحریری عید پیغامات اور دو تقاریر کو یکجا ایک کتاب ’’عیدین..... نظامِ طاغوت کے خلاف اجتماعی برأت کا اعلان‘‘ کی شکل میں آپ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ محترم گیلانی صاحب کی تحریروں میں اکثر تقریری اثر غالب رہتا ہے اور کہیں کہیں تکرار بھی پایا جاتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب ’’عیدین‘‘ جس میں عید پیغامات، عید الفطر ۲۰۰۵ء، ۲۰۰۶ء، ۲۰۰۹ء، عید الاضحیٰ ۲۰۰۴ء، ۲۰۰۸ء، ۲۰۰۹ء اور ۲۰۱۰ء کو ترتیب وار مرتب کیا گیا ہے۔ پہلے عید الفطر کے پیغامات کو تسلسل کے ساتھ رکھا گیا ہے اور پھر عید الاضحیٰ کے پیغامات کو ترتیب دیا گیا ہے۔ 27 نومبر 2009ء میں ڈورو سوپور میں جمعہ خطاب اور سوپور جامع مسجد میں 28 نومبر عید لاضحیٰ کے موقعہ پر خطاب، جس کو محترم ایاز اکبر صاحب نے کافی محنت سے Audio کیسٹ سے ترتیب دیکر ضبط تحریر میں لایا تھا، اُن دو خطابات کو بھی شامل کتاب کیا گیا ہے۔ صاحب موصوف کے ہم انتہائی شکر گزار ہیں۔ اللہ اُن کو جزائے خیر سے نوازے۔ اُن دو خطابات میں بھی کافی حد تک تقریری اثر غالب تھا۔ میں نے اُن کو بھی مرتب کرتے وقت اُس کا وہ تقریری اثر زائل کرنے کی بہت حد تک کوشش کی ہے اور اُس میں تحریری جان ڈال دی۔ باقی جو قائد محترم کے عید پیغامات تحریری شکل میں ہمارے پاس موجود تھے ان میں بھی کافی حد تک Editing کی گئی ہے۔ حالات اور واقعات سے چھیڑ خانی نہیں کی گئی۔ موضوع اور مضمون کی مناسبت سے یہ ایک منفرد کتاب ہے جس میں اب

تقریباً کہیں بھی تکرار نہیں پایا جاتا ہے۔ مظلوم اور مقہور مسلمانوں کے لیے بالعموم اور اسلام اور آزادی پسند نوجوان طبقہ کیلئے بالخصوص اِس کتاب میں ایک انمول سرمایہ موجود ہے، جس پر عمل پیرا ہوکر ہم اپنے لیے اور ملّت اسلامیہ کیلئے راہِ نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ انشاءاللہ

محمد افضل لون
انچارج مرکزی مکتبہ

SAIRA ABBASI

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

ابتدائیہ

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی مقدس تقریبات پر میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ رسمی طور مبارک باد پیش کرنے کے بجائے اصل پیغام کی طرف توجہ مبذول کرنے کی کوشش کی جائے، ساتھ ہی اُس وقت کے حالات اور مسائل کو بھی زیرِ بحث لایا جائے۔ ان پیغامات کو محترم محمد افضل لون صاحب نے یکجا کر دیا ہے اور ''عیدین'' کے نام سے ایک کتاب کی شکل میں پیش کرنے کی سعی جمیل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اس کوشش کو درجہ قبولیت عطا کرے۔ سوپور جامع مسجد اور آبائی گاؤں ڈورو میں ایک خطاب اور تقریر کو محترم ایاز اکبر نے تحریری شکل میں ترتیب دیا ہے۔ وہ بھی اس کتاب میں شامل ہے اُن کی کوشش بھی لائق تسکین و آفرین ہے۔ محترم شبیر صاحب کی محنتِ شاقہ یہ مواد ترتیب دینے میں بہت بڑا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے نیک عطا کرے۔ مقصد و مدعا یہ ہے کہ بنی نوع انسان کے لیے ہدایت اور راہنمائی کا پیغام القرآن کی شکل میں رمضان المبارک میں نازل کیا گیا ہے۔ عیدالفطر اسی مرکزِ ہدایت و راہنمائی کے عطا کیئے جانے کی خوشی میں منائی جاتی ہے۔ اس میں روزوں کا فریضہ انجام دینے کے بعد افطار کی خوشی اور ظلمت سے نور کی طرف لائے جانے کا شکرانہ بھی۔ عیدالفطر کے پیغامات میں القرآن کی طرف توجہ دینے، اس کے پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت کا احساس اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کیونکہ جب تک قرآن کو سمجھ کر پڑھنے اور پھر عملی زندگی میں اس کے احکامات اور ہدایات پر عمل کا تقاضا پورا نہ کیا جائے اس کے فیوض و برکات سے استفادہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے لازم

ہے کہ قرآنی تعلیمات کے سانچے میں ڈھل کر زندگی گذارنے کی کوشش کرے۔ جب کہیں جا کر وہ بحیثیت مسلمان اپنی شناخت اور پہچان برقرار رکھ سکتا ہے۔ بقول اقبالؒ

گر تومی خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن!

عیدالاضحیٰ کے پیغامات میں اسوۂ ابراہیمؑ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی رسول اللہ ﷺ سے فرمایا ہے:

﴿ ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرٰہِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝﴾ (سورہ نحل، ۱۲۳)

ترجمہ: ”پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ یک سُو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقے پر چلو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔“

جس دور سے ہم گذر رہے ہیں اس میں بہت بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم نمرودی قوتوں کے خوف اور غلبہ سے بے نیاز ہو کر اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی اور فرماں برداری کی طرف بلائیں۔ اس کے بغیر نہ تو دنیا میں انسان کو سکون اور اطمینان قلب نصیب ہو سکتا ہے اور نہ ہی انسانی معاشرے میں عدل وانصاف کی قدروں اور انسانیت کو فروغ مل سکتا ہے۔ اس کے لیے کشمکش اور جہدِ مسلسل کی ضرورت ہے۔ آج باطل قوتیں جدید اسلحہ سے لیس ہو کر جبر وظلم کی تلوار سے کمزوروں کو زیر کرنے کی پالیسی پر کاربند ہیں اس ہمہ گیر اور ہمہ جہت استبداد کے خلاف جب تک ابراہیمی کردار کا مظاہرہ نہ کیا جائے، مظلوم اور بے بس انسان استعماری قوتوں کے پنجۂ استبداد سے آزاد نہیں ہو سکتے ہیں۔ عید کے ان پیغامات میں اسی ضرورت کو پورا کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ خوف وہراس سے بالاتر ہو کر اگر عزم واستقلال کا مظاہرہ کیا جائے تو آج بھی ربّ کائنات حالات میں تبدیلی لا سکتا ہے۔ آج بھی وہ اپنے مخلص اور یکسو بندوں کے حق میں آگ کو گلزار میں بدل سکتا ہے۔

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایمان پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستان پیدا!

خالقِ ارض وسما کی بارگاہ میں میری عاجزانہ درخواست ہے کہ عیدین کے نام سے اس پیغام کو پڑھنے، سمجھنے اور عملانے کی توفیق عطا ہو اور خصوصیت کے ساتھ جموں کشمیر کے جنت نظیر متنازعہ خطے کے مظلوموں کو استبدادی قوتوں سے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ابراہیمی کردار کے سہارے غلامی کی زنجیریں کاٹ پھینکنے کی قوت وطاقت، عزم واستقلال اور حوصلہ نصیب ہو۔ آمین

آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے؟
اقبالؒ

ہاں امت مسلمہ کا امتحان مقصود ہے

و آخر دعوانا عن الحمد الله رب العالمین

خیراندیش
سید علی گیلانی
24 جنوری 2011ء

SAIRA ABBASI

عیدالفطر 2005

رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ کے گنتی کے دن گذرے جارہے ہیں اور عیدالفطر کی خوشی اور مسرت کا دن آرہا ہے۔ لیکن اس سال رمضان المبارک کے تیسرے دن اور 8 اکتوبر 2005ء کو صبح کے اوقات میں قیامت خیز زلزلہ نے پوری دنیا کو بالعموم اور مسلم ملّت کو بالخصوص ہلا کر رکھدیا ہے۔ آزاد کشمیر کے دارالخلافہ مظفر آباد کے نواح میں شدید نوعیت کا زلزلہ آیا۔ جب کہ لوگ کاروبار کے لیے نکلنے کی تیاریوں میں تھے۔ بچے بچیاں، یونیورسٹی اور کالج طلباء اپنی اپنی تعلیم گاہوں میں جا چکے تھے اور مصروف تعلیم و تعلم تھے۔ کہ قدرت کی طرف سے ایسا ہولناک اور عبرت ناک جھٹکا آیا کہ آنکھ کی جھپک میں سب کچھ تلپٹ ہوگیا۔

اس ہولناک اور قیامت خیز جھٹکے نے آزاد کشمیر، پاکستان کے صوبہ سرحد، بھارتی مقبوضہ کشمیر کے اوڑی، کرناہ، بارہمولہ، کپوارہ اور دیگر مختلف مقامات پر مکان یا تو مکمل طور ڈھ گئے یا اُن کے درودیوار ہل گئے اور ناقابل رہائش بن گئے۔ آزاد کشمیر اور صوبہ سرحد میں مرنے والوں کی تعداد کا ابھی تک صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکا ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۵۰ ہزار سے زائد اور غیر سرکاری اندازوں کے مطابق ایک لاکھ سے زیادہ جانوں کے اتلاف کا اندیشہ ہے۔ ۷۵ ہزار تک زخمیوں کی تعداد ہے۔ بستیوں کی بستیاں زمین بوس ہوگئی ہیں۔ ہزاروں جانیں ابھی تک ملبے کے نیچے دفن ہیں۔ اُن کو ابھی تک نکالا نہیں جاسکا ہے۔ درجنوں افراد پر مشتمل کنبوں کے کنبے اپنی ہی رہائش اور آرام گاہوں میں دفن ہوکر رہ گئے ہیں۔ نیلم وادی، بالاکوٹ، مانسیرہ اور دوسرے دور دراز اور پہاڑی علاقوں کے راستے کٹ چکے ہیں۔ اور اُن تک پہونچنے کے امکانات قریب قریب معدوم ہو چکے ہیں زخمیوں کی وقت پر مرہم پٹی اور مطلوبہ علاجِ معالجہ نہ

ہو سکنے کی وجہ سے اُن کے اعضاء کاٹے جانے کے بغیر کوئی اور چارہ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹروں اور معالجوں کے بیانات سامنے آرہے ہیں۔ مردہ جسموں کے سڑ جانے اور بہت دنوں تک دفنائے جانے کے مواقع چھن جانے کی وجہ سے عفونت پھیل چکی ہے کہ قریب جانے کی گنجائش تک باقی نہیں رہ گئی ہے۔ مظفر آباد یونیورسٹی میں 800 طلباء اور اُن کے اساتذہ یونیورسٹی کی پوری عمارت ڈھ جانے کے نتیجے میں زمین بوس ہو چکے ہیں۔ ہزاروں طلباء اور طالبات مدارس اور کالجوں میں اس الم ناک زلزلہ کے نتیجے میں چھن چکے ہیں۔ اس طرح آزاد کشمیر کے پورے خطے میں پوری ایک نسل چشم زدن میں زمین نے نگل لی ہے۔ و احسرتا! اِناّ للہ وَ اِناّ اِلیہ راجعون

بھارتی مقبوضہ کشمیر کے متاثرہ علاقوں میں ڈیڑھ ہزار کے قریب انسانی جانوں کا نقصان ہوا ہے۔ مکانات اور رہائش گاہوں کے نقصانات کا اندازہ لگانا ابھی تک مشکل دکھائی دے رہا ہے۔ کیونکہ سروے کا کام دشوار گزار راستوں کی وجہ سے پورا نہیں ہو پا رہا ہے۔ ہوائی سروے کے اندازے بالکل ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ اکثر مکانات کی چھتیں موجود ہیں اور اندرونی ڈھانچہ مکمل طور تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ ہوائی سروے کرنے والے، چھتوں کو کھڑا دیکھ کر اندازہ لگاتے ہیں کہ یہ مکانات موجود ہیں۔ چھتوں کے نیچے کی صورتحال سے ہوائی مشاہدہ کرنے والے واقف نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس لیے اس سروے پر کسی بھی طرح اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس المناک حادثہ نے پاکستان، آزاد کشمیر اور خونی لکیر کے اس پار پوری آبادی کو سکتے میں ڈال دیا اور 8 اکتوبر کے بعد کئی دنوں تک یہ اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکا کہ کس قدر تباہی اور بربادی چھا گئی ہے۔

9 اکتوبر کو سیاسی اور غیر سیاسی تنظیموں نے حرکت میں آکر جائزہ لینا شروع کر دیا۔ حکمرانوں کی مشنیریاں جن کے پاس وسائل اور ذرائع موجود ہونے چاہیے تھے بے حسی کے عالم میں ہی دیکھے گئے۔ جب وہ جاگ اُٹھیں تو اُن کو اندازہ ہو گیا کہ وہ اس گمبیر صورتحال

سے نمٹنے اور اس کا سامنا کرنے کی استطاعت اور قوت سے محروم ہیں۔ اس الم ناک حادثہ کے بعد یہ ایک اور ناقابل برداشت المیہ تھا جس سے متاثرین کو سامنا کرنا پڑا۔ اس موقع پر قرآن پاک کی ان آیات کی تذکیر عام انسانوں اور خاص طور مسلمانوں کے لیے Hybernation اور مستی کی کیفیت سے نکالنے کے لیے مہمیز ہوسکتی ہے

﴿ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝﴾ (الاعراف:۹۸،۹۹)

”پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اِس سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک ان پر رات کے وقت نہ آجائے گی جب کہ وہ سوئے پڑے ہوں؟ یا انہیں اطمینان ہوگیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکا یک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا جب کہ وہ کھیل رہے ہوں؟ کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں۔ حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔“

زلزلہ، سیلاب، آسمانی اور زمینی آفات کے سایہ فگن ہوجانے کے مواقع پر سائنس داں، ماہر فلکیات وارضیات اپنے اپنے علم اور معلومات کی بنیاد پر ان آفات کے وقوع پذیر ہونے کی توجیہ کرتے ہیں کہ ایسے واقعات کس طرح وقوع پذیر ہوجاتے ہیں۔ ایسے ماہرین یہ نہیں بتا سکتے ہیں کہ ایسے حادثات کیوں وقوع پذیر ہوجاتے اور کون سی غیبی طاقت اصل محرک ہوتی ہے۔ کائنات کے خالق، مالک اور منتظم پر ایمان اور یقین رکھنے والے لوگ اگر شعوری ایمان کے مالک ہوں تو ایسے حادثات اور مصائب وآلام میں اُن کا ذہن بغیر کسی تاخیر وتامُّل کے اُسی ہستی کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے کہ انسانی معاشرہ میں اخلاقی زوال اور انحطاط فرد اور پورے سماج میں رونما ہوچکا ہے۔ عدل وانصاف مٹ چکا ہے اور انسانی حقوق کی وسیع پیمانے پر پامالیاں ہورہی ہیں۔ طاقت ور کمزوروں کو دبانے اور زیر کرنے میں لذت محسوس کررہے ہیں۔ ایسے ہی مواقع پر قدرت کی طرف سے تنبیہات اور جھٹکے آتے ہیں تاکہ انسان سنبھل

جائے۔ انسانی اور اخلاقی اقدار کی زوال پذیری کا احساس کر کے عدل و انصاف، دیانت و امانت، شرم و حیاء اور ہر سطح پر انسانی حقوق کی پاسداری کو فروغ دینے کی منصبی ذمہ داریاں انجام دینے کے لیے حرکت میں آجائے۔ روایات میں آیا ہے کہ خلیفہ دوم حضرت عمرِ فاروقؓ کے زمانہء خلافت میں ایک روز مدینہ میں ہلکا سا جھٹکا محسوس کیا گیا تو حضرت عمر فاروقؓ کوڑا ہاتھ میں لے کر نکلے اور زمین پر ایک کوڑا رسید کرتے ہوئے کہا۔ کیوں؟ کیا عمرؓ تیری پشت پر انصاف نہیں کرتا ہے؟ زمین کا ارتعاش فوراً رُک گیا۔ آج ۱۴۲۶ھ میں ۵۷ مسلم ممالک میں سے کوئی بھی سربراہِ مملکت اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ وہ زمین سے کہہ سکے کہ ہم تیری پُشت پر بسنے والوں کے ساتھ انصاف کر رہے ہیں۔

اکیسویں صدی کے دانشور ایسے واقعات کو مجذوب کی بڑ قرار دیں گے۔ لیکن بہر حال اس حقیقت کو ماننا پڑے گا کہ اس دنیا کا نظام جس طاقت ورہستی کے ہاتھ میں ہے۔ اُس کو اپنی مخلوق کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے۔ بلکہ انسان خود اپنے اوپر ظلم کر کے عذاب اور عتاب کا مستحق بن جاتا ہے۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، درحقیقت یہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔ (آل عمران، ۱۱۷)

8 اکتوبر کا زلزلہ جس نے قیامت کی یادیں تازہ کر دیں۔ ایک بہت بڑی آزمائش ثابت ہوا ہے۔ متاثرین کے لیے، بچ جانے والوں کے لیے، حکمرانوں اور اصحاب اقتدار کے لیے، انسانی معاشرے میں سیاسی اور دینی سرگرمیوں میں شریک لوگوں کے لیے، عالمی برادری کے لیے اور اُمتِ مسلمہ کے لیے۔ سب کو اپنی اپنی جگہ اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہم اس آزمائش میں کس حد تک اپنی ذمہ داریاں انجام دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ خونی لکیر کے اس پار ہم نے دیکھا کہ وادی کشمیر کے متاثرہ لوگوں تک امداد پہنچانے اور جمع کرنے میں ایک زبردست حرکت آگئی۔ سب لوگ ایک دوسرے سے سبقت لینے کی دوڑ میں شامل

ہوگئے۔ عام لوگوں نے بھی جذبہ انفاق کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ مگر ریلیف کا سامان جمع کرنے اور تقسیم کرنے میں نظم وضبط اور ڈسپلن کا زبردست فقدان رہا۔ اس طرح ہماری مجموعی اور عمومی کمزوری کا مظاہرہ ہوا۔ ایک دوسرے پر اعتماد کا فقدان ہے اور منظم طریقے پر کام کرنے کی ضرورت قریب قریب معدوم ہوچکی ہے۔ اس کا بے لاگ جائیزہ لینے اور بروقت علاج کرنے کی ضرورت ہے۔

پاکستان اور آزاد کشمیر میں، پاکستان کے پندرہ کروڑ عوام نے بھرپور جذبہء ہمدردی اور مروت کا مظاہرہ کیا۔ یہ انتہائی قابل ستائش کردار اور عمل ہے۔ اس کو مزید بڑھاوا دینے اور پروان چڑھانے کی ضرورت ہے۔ مسلم ممالک نے بڑھ چڑھ کر مالی معاونت پیش کی۔ عالمی برادری نے صورتِ حال کی سنگینی کا احساس تو کیا مگر اس سے نمٹنے میں جس پیمانے پر دستِ تعاون بڑھانے کے لیے آگے آنا چاہیے تھا وہ توقعات پوری نہیں ہوئی ہیں۔ جیسا کہ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل مسٹر کوفی عنان نے جینوا کانفرنس میں برملا اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔

حکومت پاکستان عظیم اور ناقابل تلافی جانی اور مالی نقصانات کے حامل اس حادثہ کے لیے نہ ذہناً اور نہ ہی عملاً تیار دکھائی دی۔ خیمے اور ٹینٹ جو خود اس ملک میں بنتے ہیں، ضرورت کی اس گھڑی میں، اُن کی کمی شدت کے ساتھ تین ہفتے گذر جانے کے بعد بھی محسوس ہو رہی ہے۔

غیر سرکاری، خاص طور دینی تنظیموں الدعوہ، الخدمت، عیدی فاؤنڈیشن، NGO's اور طلباء تنظیموں نے نہایت ہی موثر اور فعال کردار ادا کیا ہے۔ متاثرین تک ریلیف پہونچانے، جاں بحق ہوئے لوگوں کو دفنانے، ملبوں سے نکالنے اور زخمیوں کے علاج معالجے کے انتظامات کرنے میں محض انسانی ہمدردی کے جذبات کا اظہار پوری انسانی برادری کے لیے سرمایہ افتخار ہے۔ قوموں کا اصلی سرمایہ یہی جذبہ اور کردار ہے۔ اس کی تعمیر و ترویج اور نشو نما قوموں کے روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔

پاکستان میں حکومت پنجاب نے ایک لاکھ لوگوں کو ایک سال تک پناہ دینے اور چھ چھ ہزار روپئے ریلیف دینے کی پیشکش کر کے ایک خوش آئندہ اور حوصلہ افزا اقدام کیا ہے۔ حکومت پاکستان اور غیور انسان دوست اور دین پسند عوام پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ متاثرین کی باز آبادکاری اور خاص طور بچوں کی پرورش اور تعلیم کا انتظام اور اہتمام کر کے نئی نسل کو عیسائیوں اور غیر اسلامی تعلیمات پھیلانے والوں کے ہتھے چڑھ جانے سے بچائیں۔ پنجاب کی طرح اگر صوبہ سندھ اور بلوچستان بھی بے گھر بے خانماں ہوئے برادرانِ ملت کو پناہ دینے اور بسانے کے لیے وسعتِ قلبی اور وُسعتِ ظرفی کا مظاہرہ کریں تو بہت بڑی آزمائش کے اس مرحلے میں جذبہء اُخوت کا حق ادا ہو سکتا ہے۔

وادی کشمیر کے متاثرہ لوگوں کے لیے حکومت ہند نے کل ملا کر چھ ارب روپئے کی امداد کا اعلان کیا ہے۔ لیکن ابھی تک اس امداد کو لوگوں تک پہونچانے میں مطلوبہ سرگرمی دیکھنے میں نہیں آرہی ہے۔ سردیوں کے موسم میں ہزاروں لوگ سر چھپانے کی جگہوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ اگر اُن تک فوری نقدی امداد نہیں پہونچ پائے گی تو جان لیوا سردیوں میں ان کے بچ جانے اور جان بر ہونے کی اُمیدیں ختم ہو جائیں گی۔ یہ بہت بڑا المیہ ہوگا۔ بھارتی حکومت نے وادی کشمیر میں زلزلہ سے متاثر ہونے والے ہزاروں لوگوں تک عالمی سطح کی تنظیموں کے داخلہ اور ریلیف فراہم کرنے پر پابندی عائد کر کے سنگین نوعیت کی انسانی حقوق کی پامالی کا ارتکاب کیا ہے جس کی پرزور مذمت کرنا، ہر انسان کا منصبی فریضہ بن جاتا ہے۔ جموں و کشمیر میں عوام کے بنیادی اور پیدائشی حقوق فوجی طاقت کی بنیاد پر سلب کرنے کی 57 سالہ تاریخ کا یہ نہایت ہی گھناؤنا اور کریہہ المنظر شاخسانہ ہے۔ اوڑی اور ٹنگڈار کے علاوہ جن دیہات اور علاقہ جات میں ہزاروں مکانات ناقابل رہائش بن چکے ہیں اُن کی طرف نہ تو سرکاری اور نہ ہی غیر سرکاری امداد پہونچ سکی ہے۔

8 اکتوبر کے زلزلہ کے اثرات صدیوں کی تاریخ پر سایہ فگن ہوں گے۔ آزاد کشمیر پاکستان اور بھارتی مقبوضہ کشمیر کے حصے میں اس کے زخم اتنے گہرے اور ناقابل مندمل ہیں کہ کوئی زبان یا قلم ان کی سنگینی اور شدت کا احاطہ نہیں کرسکتی۔

اس پسِ منظر میں ہم اس سال کی عید الفطر منا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ عید ہم سب کے لیے بہت بڑے ماتم اور رنج کا دن ہے۔ لاکھوں لوگوں کی زندگیاں چھن جانے اور لاکھوں لوگوں کے قابل رحم حد تک متاثر ہو جانے اور لاکھوں کے رستے اور بہتے خون میں ہماری عید، خوشیوں اور مسرتوں کی عید کیسے ہو سکتی ہے؟ مگر مسلمان ہوتے ہوئے ہمیں بہر حال صبر و ضبط اور تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرنا ہے۔

رسولِ رحمت ﷺ نے اس مبارک اور مقدس مہینے کو صبر و مواسات کا مہینہ قرار دیا ہے۔ اس نسبت سے بھی ہمیں انفرادی اور اجتماعی سطح پر بہر حال صبر و برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے متاثرہ بھائیوں کے ساتھ ہمدردی اور معاونت کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ عید الفطر سے پہلے پہلے ہم کو صدقہ فطر منظم اور اجتماعی طور جمع کر کے متاثرین تک پہونچانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اگر ہر بستی، ہر محلہ اور ہر قریہ میں منظم طور جمع کرنے کا اہتمام کیا جائے تو ایک خطیر رقم جمع ہو کر ہم پوری ملت کی دینی، تحریکی، معاشرتی اور معاشی ذمہ داریوں کو انجام دینے کے اہل بن جائیں گے۔ کاش ملتِ مظلومہ و مرحومہ کا ذہن بیدار ہو جائے اور ہم اپنی مدد آپ کے اسلامی اصولوں کی پیروی میں اپنی شب تاریک کو صبحِ درخشاں میں بدلنے کا آغاز کر سکیں۔ **فاعتبرو ایااولی البصار!**

صدقہ فطر کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ہمیں عید الفطر نہایت سادگی اور قناعت پسندی سے منانی چاہیے۔ کھانے پینے اور لباس میں سادگی اختیار کی جائے۔ کسی طرح کے نام و نمود اور اسراف کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ پوری ملت کے اس سانحہ میں ہم متاثرین کے دکھ درد میں

برابر کے شریک ہیں۔

8 اکتوبر کے جاں بحق ہونے والے لاکھوں بھائیوں، بہنوں اور بچوں کو یاد کرتے ہوئے ہمیں جموں وکشمیر کے متنازعہ خطہ میں، جو کہ گذشتہ 57 ، برسوں سے بھارت کے فوجی قبضہ میں ہے 1947ء سے لیکر آج 2005ء تک شہید ہونے والے، پانچ لاکھ سے زائد شہداء کو نہیں بھولنا چاہیے۔ ہزاروں خواتین کی لٹی عصمتوں کو فراموش کرنے کا مجرم نہیں بن جانا چاہیے۔ ہزاروں بستیوں کے اُجڑ جانے اور خاکستر بنائے جانے کے استعماری حربوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ہزاروں جوانوں اور بزرگوں کے قید و بند کی صعوبتوں کا شکار ہوئے جانے کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ ان عظیم اور بے مثال قربانیوں کا مقصد حصولِ حقِ خودارادیت، زلزلہ کی تباہیوں کی نذر نہ ہونے پائے۔ خونی لکیر کو پانچ مقامات پر کھولا جانا ایک ہنگامی ضرورت ہے۔ اس لکیر کو مستقل سرحد بنائے جانے کے تمام منصوبے، سازشیں اور عزائم ہم پوری قوت کے ساتھ مسترد کرنے کا اعلان کرتے ہیں اور اس عہد کو دہراتے ہیں کہ استصواب رائے عامہ کے لیے اپنی جائز اور مبنی بر صداقت جدوجہد جاری وساری رکھیں گے۔ انشااللہ۔

عید الفطر کے اس موقع پر ہم تمام نظر بندوں کی رہائی کا پُر زور مطالبہ کرتے ہیں۔ عید الفطر پر حالیہ اور گذشتہ عید الفطر سے اب تک کے تمام شہداء کے لیے دُعائے مغفرت کرنی چاہیے اور بارگاہِ رب العزت میں انتہائی عاجزی، انکساری کے ساتھ دُعا مانگنی چاہیے کہ پوری انسانی برادری کو امن وآشتی کا ماحول نصیب ہو اور خاص طور ملتِ مرحومہ استبدادی اور استعماری قوتوں کے پنجہءِ استبداد سے نجات حاصل کرے اور دین کی بنیادوں پر متحد، منظّم اور یکسو ہو کر اپنی منصبی ذمہ داریاں انجام دینے کے لیے صف بند ہو جائے۔

اللّٰھم لا تقتلنا بِغَضَبِکَ وَلاتھلکنا بعذابِکَ وَعافِنا من بلائِکَ قبل ذالِکَ. آمین یارب العالمین

عیدالفطر 2006ء

رمضان المبارک کے روزوں اور عبادات کے اختتام پر یکم شوال کو عید الفطر کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ عالمی سطح پر اگر پوری اُمت مسلمہ کی صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے تو عید الفطر کی خوشیوں کی بہت کم گنجائش دیکھنے میں آ رہی ہے۔ پوری مسلم دُنیا عذاب و عتاب کی شکار ہے۔ سامراجی قوتوں نے اسلام اور مسلمانوں کو خاص طور نشانہ بنایا ہے وہ مسلمانوں کی دینی، سیاسی، اخلاقی، معاشی اور معاشرتی قدروں کو ڈھانے اور مسمار کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ ہر سمت اور جہت سے اسلام اور مسلمانوں پر یلغار کی جا رہی ہے۔ ایک ارب سے زائد مسلمان اپنی شناخت کے تحفظ کے لیے کوئی مؤثر اور نتیجہ خیز کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ 57 ملکوں میں مسلمانوں کی قومی حکومتیں ہیں۔ افرادی قوت، ذرائع و وسائل کے لحاظ سے 80 فیصد قوتوں اور وسائل کے وہ مالک ہیں۔ لیکن مجموعی طور اُنہوں نے مغربی ملکوں اور قوتوں کے فلسفہ ہائے زندگی کو قبول کر کے خود اپنی شناخت اور پہچان کو مجروح کر دیا ہے۔ رمضان المبارک میں اللہ ربّ کائینات کی طرف سے اُن کو جو کتابِ ہدایت عطا کی گئی تھی اُس کی تعلیمات کو انہوں نے پسِ پشت ڈالا ہے۔ لادینی اور غیر اسلامی طرزِ حیات کو اختیار کر کے اُنہوں نے خود مظلومیت، بے بسی، بے کسی اور محکومیت کی زندگی کو قبول کر لیا ہے۔ اس پسِ منظر میں جب ہم عید الفطر کے مقدس دن پر عید گاہوں اور بڑی بڑی مساجد میں مسلمانوں کے ہجوم دیکھ رہے ہیں تو اقبالؒ کا یہ فرمان ہم پر صادق آتا ہے۔

عید آزاداں شکوہ ملک و دین
عید محکوماں ہجومِ مومنین!

آج جب میں عید الفطر کے لیے اپنے مجروح قلب وجگر کے احساسات کی ترسیل کے لیے قلم کو حرکت دے رہا ہوں۔ بی بی سی کا یہ اعلان گویا پہاڑ بن کر میرے پورے وجود کو متزلزل کر چکا ہے کہ 19 مارچ 2003ء کے بعد آج (2006ء) تک عراق میں ساڑھے چھ لاکھ لوگ مارے جا چکے ہیں۔ جس ملت کے افراد اس بے دردی اور بے رحمی کے ساتھ جارحیت کا نشانہ بنائے جا رہے ہوں اور پوری ملت اس کے بچاؤ اور تحفظ کے لیے کچھ نہ کر سک رہی ہو۔ بے بسی اور بے کسی کے ساتھ اِن خونین مناظر کا تماشا دیکھ رہی ہو اُس ملت کے لیے عید الفطر کی خوشیوں کا کیا جواز ہے۔ عید مبارک کے پیغامات نشر کرنے اور شائع کروانے کا کیا تک اور کیا مقصد ہے۔ کیا یہ حقائق کا مذاق اُڑانے کے مصداق نہیں ہے کہ مسلمانوں کا خون پانی سے زیادہ ارزاں ہو چکا ہو اور ہم مبارک بادیاں پیش کر کے جھوٹی تسلیاں دیتے رہیں۔ افغانستان میں نیٹو کی 30 ہزار فوجیں طالبان اور القاعدہ کا نام دیکر افغانیوں کو تاخت وتاراج کر رہے ہوں اور ہم زرق و برق لباس پہن کر عید گاہوں کی زینت بنیں اور اپنے آپ کو دھوکہ دیں کہ ہم نے عید کی خوشیاں منائی ہیں اور عید کی نمازیں پڑھ کر بڑا تیر مارا ہے۔ اسرائیل نے 34 دن کی جنگ میں لبنان کے خوبصورت شہروں اور فلک بوس عمارتوں کو زمین بوس کر دیا ہے۔ امریکہ پورے عرصہ جنگ میں اسرائیل کو اسلحہ، گولہ بارود اور سرمایہ فراہم کر رہا ہو اور لبنان کا دفاع کرنے والے حزب اللہ بے یار و مددگار اس ننگی جارحیت کا بے سروسامانی کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہوں۔ 57 مسلم ممالک ”ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم“ کی مثال بنے ہوئے ہوں اور ہم عید الفطر کو مٹھائیاں اور مرغن غذائیں نوشِ جان کریں۔ بے غیرتی اور بے مروتی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔

اسرائیل فلسطین کے عوام کیلئے عزرائیل کا کردار کھلے عام انجام دے رہا ہو۔ اُن کی ناکہ بندی کی جارہی ہو۔ اُن کو ایک ایک کر کے نشانہ بنارہا ہو۔ اُن کی معاشی ناکہ بندی اور مقاطعہ کررہا ہو۔ حماس کو جمہوری طریقے سے اکثریت حاصل کر کے اپنے ملک کا نظم ونسق چلانے کا موقع نہ دے رہا ہو۔ بلکہ الفتح کے ساتھ سازباز اور گٹھ جوڑ کر کے حماس پر یہ شرط عائد کررہا ہو کہ وہ اسرائیل کے ناجائز اور جارح وجود کو تسلیم کرے پھر اُس کو زندہ رہنے اور اپنے ملک کا نظم ونسق چلانے کی اجازت ہوگی اور الفتح کھل کر اسرائیل کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کررہا ہو۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ حماس اور الفتح آپس میں دست وگریبان ہوں اور ایک دوسرے کے ساتھ مسلح تصادم اور ٹکراؤ کی راہ پر بھگ ٹٹ دوڑ رہے ہوں۔ اس برادر کشی کے ماحول میں ہم مست ومدہوش ہوکر عیدالفطر کی بے روح خوشیاں منائیں۔ کیا ہماری عزت اور حمیت زمین بوس نہیں ہوچکی ہے کہ 57 مسلم ممالک حماس کی مالی مدد کیلئے حرکت میں نہیں آرہے ہیں اور اُن کے ملازم تنخواہوں کے لیے بائیکاٹ کریں۔ سڑکوں اور شاہراؤں پر نکل آئیں اور ہمارے مسلم ممالک کا سرمایہ امریکہ، برطانیہ اور دوسرے ممالک کے بنکوں میں جابروں اور ظالموں کے استعمال میں ہو۔ اسرائیل کے پاس 400 ایٹم بم ہیں۔ لیکن ایران اور دوسرے ممالک کو اپنے دفاع اور ملکی ضروریات کے لیے پابندیاں لگائی جارہی ہیں۔ آخر اس امتیازی پالیسی کا کیا جواز ہے۔ اس جانبدارانہ اور سامراجی اندازِ فکر کے خلاف دُنیا کے مسلمانوں کو اُٹھ کھڑا ہونا چاہیے تھا۔ مگر مسلمان دینی اور اسلامی روح سے محروم ہوچکا ہے۔ اور وہ ظلم واستبداد اور جبروتشدد کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کررہا ہے۔ چچنیا کے لوگوں کی آزادی روسی استبداد طاقت کی بنیاد پر چھین رہا ہے۔ وہاں کے عوام اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کررہے ہیں۔ مسلم ممالک اُن کی کوئی مدد نہیں کررہے ہیں۔ مسلمان ملکوں کی آرگنائزیشن OIC پوری اُمتِ مسلمہ کی ایک نمائندہ فورم ہے۔ لیکن یہ پورا اجتماعی ڈھانچہ عمل کے میدان میں مکمل

طور اپنی افادیت کھو چکا ہے۔ اسرائیل کی لبنان پر جارحیت کے موقع پر OIC کے 57 ملکوں کے نمائندوں نے تین ہفتوں کے بعد میٹنگ بلائی اور ایک بے روح اور بے نتیجہ کاغذی قرارداد پاس کر کے اپنی بے عملی کا جیتا جاگتا ثبوت فراہم کر دیا۔ کیا OIC میں شامل ممالک کو اس جارحیت کے فوراً بعد تمام 57 مسلم ملکوں کی نشست بلا کر اولاً اسرائیل کی اس ننگی جارحیت کی شدید الفاظ میں مذمت کرنا چاہیے تھی اور پھر حزب اللہ کی کُھل کر حمایت اور مالی مدد کے لیے جرأت اور ہمت کے ساتھ آگے آنا چاہیے تھا۔ مگر ”اے بسا آرزو کہ خاک شدہ است! کیا اُمت مسلمہ کی اس اجتماعی قوت کی بے حسی اور بے مروتی ہمیں عید الفطر پر آنسو بہانے اور سینہ کوبی کرنے کا مواد فراہم نہیں کرتی ہے؟ جو ملّت سامراجی قوتوں کے آگے سرنگوں ہو چکی ہو جس ملّت کے سربراہان، حکمران اور قوت وطاقت کے جبری قابض، استعماری اور جارح قوتوں کے مددگار اور آلہ کار بن رہے ہیں اُسی ملّت کے افراد کو عید الفطر کے مبارک دن پر اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ وہ کس قیادت، حکومت اور لیڈر شپ کے ہتھے چڑھ چکے ہیں۔ جس قیادت نے تفریق دین وسیاست کا غیر اسلامی اور کافرانہ نظریۂ حیات اپنا کر پوری ملّت کے وجود کو سرطان زدہ بنا دیا ہو اُس ملّت کے افراد اور باشعور طبقہ کے لیے آج کے دور میں اولین فریضۂ حیات اس دین فروش اور لادین قوتوں کے ہاتھوں رہن شدہ قیادت کا قلادہ گردنوں سے اُتارنا ہے۔ اس کے بعد ملّتِ مرحومہ اپنا فرضِ منصبی انجام دینے کا مقام حاصل کر سکتی ہے۔ علامہ اقبال مرحومؒ نے اپنی حیات مستعار میں افغانستان کے شاہ ظاہر شاہ مرحوم کو دردمندانہ نصیحت کی تھی کہ لادین سیاست کا میکاولی فریب قلب وذہن سے دور کر کے دین وسیاست کی یکجائی کا حیات بخش نظامِ زندگی اپنے ملک میں نافذ کر کے عدل وانصاف کی ابدی اور الٰہی قدروں کو سایہ فگن ہونے کا موقع فراہم کریں۔ فرنگی ایجادات کے بارے میں کہتے ہیں:

دانہ آں صحرا نشیناں کاشتند
حاصلش افرنگیاں برداشتند!

اس علم وحکمت کا بیج اُن صحرانشینوں نے بویا تھا۔ فصل مغربی اقوام کاٹ رہی ہیں۔ اس لیے اِن ایجادات اور انکشافات سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے اصول کے تحت جو کچھ قابل قبول ہو اُس کو لیا جائے اور جو ہمارے دین اور تہذیب کے ساتھ ٹکراؤ رکھتا ہو اُس سے اجتناب کیا جائے۔ خاص طور لادین تہذیب سے:

لیکن از تہذیب لادینے گریز
زاں کہ او با اہلِ حق دارد ستیز

فتنہ ہا ایں فتنہ پرداز آورد
لات وعزیٰ در حرم باز آورد

از فسونش دیدۂ دل نابصیر
روح از بے آبئ او تشنہ میر!

لذتِ بے تابئ دل می برد
بلکہ دل زیں پیکر گل می برد

کہنہ دُزدے غارتِ او برملاست
لالہ می نالد کہ داغِ من کجاست!

SAIRA ABBASI

"لیکن اس لادین تہذیب سے اجتناب اور پرہیز کیجیے۔ اس لیے کہ یہ لادین سیاست اور تہذیب حق پرستوں اور حق نوازوں کے ساتھ برسرِ جنگ ہے۔ اس فتنہ پرور لادین سیاست نے کئی فتنے اور فسادِ قلب وذہن پیدا کیے ہیں۔ اس نے پھر دورِ جاہلیت کے بت لات، منات اور عزیٰ حرم پاک میں لائے ہیں۔ اس لادین تہذیب اور سیاست کی

> جادوگری اور فسوں کاری سے دلوں کی بینائی اور بصیرت چھن چکی ہے۔ اس کی بے آبی یعنی خشکی سے روحِ انسان تشنگی کا شکار ہو چکی ہے۔ یہ خدا بے زار لادین تہذیب دلوں سے بے تابی، اضطراب اور تڑپ چھین لیتی ہے۔ بلکہ اس خاکی جسم سے دل ہی چُرا لیتی اور غائب کر دیتی ہے۔ یہ لادین اور خدا بے زار تہذیب کوئی نیا فسون اور جادو نہیں ہے۔ یہ تو ازل سے انسانی روح کے لیے ایک عذاب کی صورت میں مسلط ہو چکی ہے۔ اس کی غارت گری کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔ یہ کھلے عام اور ڈنکے کی چوٹ غارت گری اور ننگی جارحیت کا ارتکاب کرتی ہے۔ اس کی اس اعلی الاعلان غارت گری گلِ لالہ کا سیاہ داغ جو اس کی اصل پہچان اور شناخت ہے بے رحمی اور فتنہ انگیزی سے اس طرح لُوٹ لیتی ہے کہ گل لالہ آہ و زاری اور نالہ و فریاد کرتا ہے کہ میری شناخت اور پہچان کہاں گئی؟''

لادین سیاست کی غارت گری آج کا انسان بچشم سر دیکھ رہا ہے۔ 1945ء میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر لاکھوں انسانوں کی زندگیاں چھین لیں 1948ء میں دُنیا بھر کے یہودیوں کو فلسطین کی سرزمین پر بسا کر اصلی باشندوں کی زمین اور جائیدادیں کس نے دن دھاڑے لوٹ لیں؟ چالیس لاکھ فلسطینیوں کو مہاجرت کی زندگی گذارنے پر کس نے مجبور کیا؟

آج فلسطین، لبنان، عراق، افغانستان، چیچنیا اور جموں و کشمیر میں مسلمانوں کے خونِ ناحق سے دن دھاڑے اپنے ہاتھ کون رنگ رہا ہے؟ امن، جمہوریت اور آزادی کے نام پر کون ملکوں اور قوموں کو استعماری اور استبدادی شکنجوں میں کس رہا ہے؟ کون گونتانا مو بے اور ابوغریب جیلوں میں سینکڑوں بے گناہوں کو بغیر کسی ثبوت جرم کے شرمناک اور انسانیت سوز مظالم کا شکار بنا رہا ہے؟

کس نے 1947ء میں تقسیم ہند کے وقت ریڈکلف ایوارڈ کے تحت جموں و کشمیر کا مسلم اکثریت کا خطہ ہتھیانے کے لیے گورداسپور کا حصہ بھارت کے نقشے میں ڈال کر ایک نہتی

قوم کو نہ ختم ہونے والے عذاب اور عتاب میں مبتلا کر دیا ہے؟ یہ سب لادین سیاست کی فتنہ انگیزیاں ہیں۔ عید الفطر منانے والا مسلمان اسی لادین سیاست کے فریب میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ جب تک وہ اس ''دامِ ہم رنگِ زمین'' کے جال سے باہر نہ نکل آئے، صدیوں تک عید الفطر کے جشن منا کر بھی اسکی شبِ تاریک صبحِ درخشندہ سے ہم کنار نہیں ہوگی۔

آج جب میں گھر میں نظر بند ہونے کی حالت میں اپنے قلبی احساسات سپردِ قرطاس کر رہا ہوں۔ انجینئر ارشاد احمد کی لاش دہلی پولیس کے ہاتھوں جان بحق ہوئے جانے کے بعد، سرزمین بے آئین میں لائی گئی ہے۔ مجھے اسی لیے نظر بند رکھا گیا تاکہ میں اس مظلوم شہید کے جنازے میں شرکت نہ کرسکوں۔ اس ماتم زدہ خاندان کو عید الفطر کی مبارک باد دینا کیا اس کے زخموں پر نمک پاشی نہیں ہوگی؟ یہ ظلم واستبداد کے علمبردار، بھارتی استبداد کے زر خرید ایجنٹ، خدا بیزار لادین سیاست کے پرچارک، اخبارات اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مبارک بادی کے پیغامات نشر کریں گے۔ یہ بہت بڑا فریب اور بھونڈا مذاق ہے اس سرزمین بے آئین میں 1947ء سے اب تک 6 لاکھ ارشاد احمد اور زاہدہ اختر جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ اس لادین سیاست کی غارت گری سے سرزمین جموں کشمیر لالہ زار بن چکی ہے۔ اس گلستانِ ارضی کو سرخ سرخ اور گرم گرم خون سے لالہ رنگ بنانے والے عید الفطر کے بابرکت اور مقدس دن پر شرم وحیا کے دامن چاک کر کے اگلی صفوں میں جگہ پانے کے لیے سروں اور کندھوں کو پھلانگتے دیکھے جائیں گے۔ اس لیے کہ لادین سیاست نے نمازیوں کے دلوں سے نورِ بصیرت چھین لیا ہے۔ اُن کی شناخت مٹ چکی ہے۔ اُن کی پہچان مادی مفادات تلے دب چکی اور زمین بوس ہو چکی ہے۔ وہ کہاں ان کو روکیں گے اور جرأت وہمت کا مظاہرہ کر کے اُن کو اپنی اوقات یاد دلائیں گے اور کہیں گے لادین سیاست کے علمبردار بھارتی ظلم واستبداد کی کلہاڑی کے بے رحم اور بے ضمیر دوستو! اس خطۂ جنتِ نظیر کو جہنم زار

بنانے والے تم ہو۔ تم ہمارے ضمیر، ہمارے دین وایمان، ہماری آزادی، ہماری غیرت، ہمت، حوصلہ اور جرأت کو سڑکوں، مدرسوں، ہسپتالوں، ریلوے پٹریوں اور روٹی کے ٹکڑوں کے عوض خرید رہے ہو اور ہم کو من حیث القوم بھارت کی چنگیزیت کے غلام در غلام بنانے پر تلے ہوئے ہو۔ تمہارے عید مبارک کے پیغامات ہماری مظلوم اور بے بس قوم کے لیے Death certificate ہیں۔ ہم ان سے پناہ مانگتے ہیں۔ عیدالفطر کی خوشیاں اُن گھرانوں کے لیے کہاں سے لائیں گے جن کے نونہال گذشتہ چند مہینوں میں استعماری قوتوں نے طاقت کے بے تحاشا استعمال سے چھین لی ہیں۔

۱۔ ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو سہ پورہ ڈوروا اسلام آباد میں بھارتی فورسز (RR) نے سجاد احمد بدرو جو آٹو ڈرائیور تھا کو بے دردی سے شہید کر ڈالا۔

۲۔ یکم نومبر ۲۰۰۵ء کو یہاں سرینگر میں اشفاق احمد راتھر اور محمد ابراہیم ڈار کو گرفتار کرنے کے بعد گولی مار کر ابدی نیند سُلا دیا۔

۳۔ ۱۳ نومبر ۲۰۰۵ء کو 29-RR نے بانڈی پورہ کے اعجاز احمد شاہ اور منظور احمد ڈار کو ڈھال بنا کر بے دردی سے شہید کر ڈالا۔

۴۔ ۱۴ نومبر ۲۰۰۵ء کو 52-RR نے ٹنگمرگ کے غلام احمد راتھر جو پانچ بچوں کا باپ تھا کو بے دردی سے شہید کر دیا۔

۵۔ ۱۶ نومبر ۲۰۰۵ء کو 23-RR نے شاہ نواز عاقب بارہویں جماعت کے طالب علم کو گولی مار کر شہید کر ڈالا۔

۶۔ ۲۱ دسمبر ۲۰۰۵ء کو خواجہ میر علی اسلام آباد میں BSF نے مجاہدین کے ساتھ مقابلہ میں ناکام ہونے کے بعد 6 مکانوں کو لوٹنے کے بعد مارٹر گولوں سے زمین بوس کر دیا۔

۷۔ ۲۷ دسمبر ۲۰۰۵ء کو STF ہانڈی پورہ نے محمد اشرف خان کو ناقابل برداشت اذیتیں دے دے کر شہید کر ڈالا۔

۸۔ ۱۶ جنوری ۲۰۰۶ء کو RR اور STF شوپیاں نے آہو پایہ سن اسلام آباد کے ایک دارالعلوم کے استاد عبدالولی کٹھانہ اور دو طلباء فاروق احمد ڈار شوپیاں اور فاروق احمد گول گلاب گڑھ کو بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ یہ استاد اور طلباء قربانی کی کھالیں دارالعلوم کیلئے جمع کرر ہے تھے۔ یاد رہے کہ ۳/جنوری ۲۰۰۵ء کو بھارتی فورسز نے عبدالولی کٹھانہ کے ایک بھائی کو بھی شہید کر دیا تھا۔

۹۔ ۱۶ جنوری ۲۰۰۶ء کو RR-22 نے سمبل کے عبدالمجید پرے کو گولیوں سے ٹھنڈا کر دیا۔

۱۰۔ ۲۰ فروری ۲۰۰۶ء ڈودی پورہ کپوارہ میں RR-33 نے عامر اکبر ۶ سال۔ غلام حسن بٹ ۱۸ سال، شاکر احمد وانی ۸ سال اور عبدالصمد میر ۱۸ سال کو بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ یہ طلباء کھیل کے میدان میں کرکٹ کھیل رہے تھے۔ ان پر فورسز نے اندھا دھند فائیرنگ کی اور انہیں ابدی نیند سُلا دیا۔

۱۱۔ ۱۷ مارچ ۲۰۰۶ء محمد ایوب بٹ اور مدثر احمد راتھر کو گجرات میں وہاں کی پولیس نے گرفتار کر کے شہید کر دیا۔ یہ نوجوان کاروبار کے سلسلہ میں گجرات گئے ہوئے تھے۔

۱۲۔ ۲ جولائی ۲۰۰۶ء گامرو میں بھارتی فورسز نے اشتعال میں آ کر ۶ مکانات اور سات گاؤخانوں کو خاکستر میں تبدیل کر دیا۔

۱۳۔ ۳۰ مئی ۲۰۰۶ء کو اس وقت قصبہ سوپور اور اس کے دوسرے موضع جات میں ماتم پھیل گیا جس وقت جھیل ولر میں تعینات Navy Forces کی Negligence سے ۲۳ معصوم بچوں کے ڈوبنے کی خبر وادی میں آگ کی طرح پھیل گئی اُن کے والدین کا اس عید پر کیا حال ہوگا جنہوں نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اس روز صبح سجا دھجا

کر خوشی خوشی سیر و تفریح کیلئے بھیجا تھا۔ لیکن شام کو اُن کی نعشیں بھی مل نہیں رہی تھیں۔ کس طرح سے ان ظالموں نے دیدہ دانستہ ان غنچوں کو کھلنے سے پہلے ہی مُرجھا دیا اور کس طرح سے یہ جابر ہماری امیدوں کے چراغوں کو گل کر کے ہمارے مستقبل کو تاریکی میں بدلنے کی کوششیں کر رہے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ جب اس ظلم و جبر اور بربریت کے خلاف مظلوم و محکوم عوام نے مظاہرہ کیا۔ اُن پر طاقت کا بے تحاشہ استعمال کیا گیا دو اور نوجوان جہانگیر احمد میر اور الطاف احمد میر کو شہید کر دیا گیا اور سینکڑوں کو زخمی بنا دیا۔

۱۴۔ ۲ جون ۲۰۰۶ء کو بھارتی فورسز نے مجاہدین کے ساتھ مقابلہ آرائی میں ناکام ہو کر امیر آباد ترال میں چار مکانوں اور ایک گاؤ کھانے کو خاکستر میں بدل دیا۔

۱۵۔ یکم جولائی ۲۰۰۶ء منور آباد چوک سرینگر اخوان ہوٹل میں موجود CRPF نے ۲۴ سالہ نوجوان عنایت اللہ بٹ کو بے دردی سے شہید کر دیا۔ وجہ یہ بنی کہ عنایت اللہ بٹ سے ان ظالموں نے کچھ بیکری وغیرہ خریدی تھی۔ جب عنایت اللہ بٹ نے ان سے پیسہ وصول کرنا چاہا تو اُنہوں نے بندوق کی گولی سے جواب دیا۔

۱۶۔ ۱۰ اگست ۲۰۰۶ء کو غلام محی الدین تانترے اور اس کی بھتیجی روبینہ اختر عمر ۱۴ سال ساکنانِ درگمولہ اندر ہامہ، لکڑی لانے کیلئے جنگل کی طرف جا رہے تھے۔ جنگل میں گھات میں بیٹھے ہوئے 33-RR کے فوجیوں نے بغیر کوئی اشارہ دئے اُن پر اندھا دھند گولیاں چلائیں اور دونوں کو موقعہ پر ہی شہید کر دیا۔

۱۷۔ ۱۲ اگست ۲۰۰۶ء کو CRPF نے ڈلگیٹ میں غلام محمد شیخ ولد محمد سلطان شیخ ساکنہ اشٹینگو بانڈی پورہ طالب العلم BA part II کو بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ قصور اُس کا یہ تھا کہ تعلیم یافتہ مسلم نوجوان تھا۔ ملازمت کیلئے فارم بھرنے جا رہا تھا۔ ایک CRPF والے نے اُس کے بیگ کی تلاشی شروع کی اور دوسرے نے اسکی کمر میں

گولی پیوست کر دی۔ منہ کے بل گرا کر وہ شہید ہو گیا۔ اس بے رحمانہ قتل پر قاتلوں کو انعام دیا گیا۔

۱۸۔ ۱۸ اگست ۲۰۰۶ء بروز جمعہ زرہامہ میں کچھ مسلم نوجوان بعد نمازِ مغرب مسجد شریف میں ذکر واذکار میں مشغول نمازِ عشاء کا انتظار کر رہے تھے۔ اچانک RR کے کچھ فوجی مسجد میں بوٹ پہنے داخل ہوئے اور اُن کو زدوکوب کیا اور کہا کہ یہاں ہمارا قانون چلے گا۔ یہاں ہماری مرضی چلے گی کسی اسلام یا خدا کی مرضی نہیں چلے گی۔ مسجد شریف اور قرآن پاک کی بے حرمتی کی۔ جب دوسرے روز لوگوں نے اس ظلم وجبر کے خلاف احتجاج کیا تو مظاہرین پر اندھا دھند گولیاں چلا کر دو نوجوانوں جاوید احمد ملک ترہگام اور محمد اسحاق بیگ زرہامہ کو شہید کر ڈالا۔

۱۹۔ ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۶ء بھارتی فورسز نے جموں کشمیر مسلم لیگ کے دو کارکنان۔ مشتاق احمد زرگر اور عبدالرشید کو بے دردی سے شہید کر دیا۔ وہ سرنکوٹ پونچھ کے رہنے والے تھے۔ یہاں ایک تقریب میں شرکت کرنے کیلئے آ رہے تھے۔ بغیر کسی جواز کے انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔

۲۰۔ ۱۶ اکتوبر ۲۰۰۶ء اہلن گڈول اسلام آباد میں 36-RR نے محمد اشرف نیایکو اور اُس کی بہن مصرہ بانو کو بے دردی سے گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔ جبکہ اُن کے دو اہل خانہ کو شدید زخمی کر دیا۔ یہ لوگ اپنی کھیتوں سے گھر کی طرف واپس آ رہے تھے اور راستے میں موجود فوجیوں نے اُن کو اپنی بربریت کا نشانہ بنایا۔

۲۱۔ ۱۸ اکتوبر زچلڈارہ ہندوارہ کے ڈاکٹر مشتاق احمد شاہ کی مسخ شدہ لاش نوپورہ سوپور سے برآمد کی گئی۔ واردات کی جگہ سے ایک خون آلودہ شیونگ بلیڈ اور چار خالی کوّر، چھ فٹ خون آلودہ رسّی، تین لاٹھیاں برآمد کی گئیں۔

اس دوران میں ہمارے سرفروش نوجوان جو شہید ہو چکے ہیں ہماری دُعا ہے کہ اللہ

تعالیٰ اُن کی شہادتیں قبول کرے اور ہم پوری مظلوم قوم کی طرف سے اُن کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

محمد افضل گورو جن کو 13 دسمبر 2001ء کے بھارتی پارلیمنٹ پر حملہ کے کیس میں پھنسایا گیا ہے۔ اُن کو سزائے موت سنائی گئی ہے۔ عدالت نے 20 اکتوبر 2006ء کو اُن کو تختہ دار پر لٹکائے جانے کے احکامات صادر کئے ہیں۔ پوری وادی میں عدالت کے اس فیصلے کے خلاف عوامی سطح پر منظّم اور مؤثر احتجاج ہوئے ہیں۔ محمد افضل گورو نے صدرِ ہند کی خدمت میں رحم کی اپیل کرنے سے انکار کیا ہے، اس بنیاد پر کہ اُن کو بھارتی عدلیہ سے انصاف کی کوئی اُمید نہیں ہے کہ سماعت کے دوران میں اُن کے ساتھ انصاف نہیں برتا گیا ہے اب آخری مرحلے پر کیا توقع رکھی جاسکتی ہے۔ محمد افضل گورو صاحب کی اہلیہ محترمہ نے اپنے طور اپیل کی ہے لیکن اُس میں بھی رحم کے لیے نہیں کہا گیا ہے۔ بلکہ مقدمہ کی کارروائی کے دوران میں پولیس اور عدلیہ نے جس جانبدارانہ کردار کا مظاہرہ کیا ہے اُس کی بنیاد پر موت کی سزا سنانا ہی عدل وانصاف کا خون ہے۔ چہ جائیکہ اس بنیاد پر کسی کو تختہ دار پر لٹکایا جائے یا عمر بھر کی قید کی سزا دیدی جائے۔ معاندانہ اور جانبدارانہ رویہ کی اس سے بڑھ کر مثال اور شہادت کیا ہوسکتی ہے کہ اُن کو اپنے تجویز کردہ وکلاء کا استفادہ کرنے کی اجازت بھی نہیں دی گئی اور استغاثہ نے اپنی پسند کے وکیل مقرر کر کے اپنے مقررہ کردہ نشانے پورے کرنے کی راہ ہموار کی۔ اسی بنیاد پر وادی کشمیر میں بھی آزادی پسند تنظیموں اور عوامی سطح پر احتجاجی مظاہرے ہوئے کہ افضل گورو کو تختہ دار پر لٹکانا، کھلی انتقام گیری اور عدل وانصاف کی قدروں کی پامالی اور بھارت کے ان دعاؤں کی کھلے عام تردید ہے کہ یہاں جمہوریت اور قانون کی بالادستی ہے۔

ارشاد احمد لون ولد علی محمد لون چھانہ پورہ کا تذکرہ ابتدائی سطور میں آیا ہے۔ وہ انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کر چکے تھے۔ تلاشِ روزگار میں 4 اکتوبر کو دہلی روانہ ہوگئے۔ 6

اکتوبر کو انٹر یو دیا اور select ہو گئے۔ 17 اکتوبر کو دہلی پولیس نے محض اس بنیاد پر کہ اُن کے چہرے پر خوبصورت داڑھی تھی۔ وہ باشعور مسلمان اور صوم وصلوٰۃ کے پابند، ذہین و فطین کشمیری مسلمان تھے۔ لہٰذا دہلی پولیس کی نگاہوں میں مشکوک، مجاہد اور آزادی پسند اس لیے اُن کو شہید کرنا بھارت ماتا اور بھارت کے سیکولر آدرشوں کی بڑی خدمت اور آبیاری ہو گی۔

﴿وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ٥﴾

"جب تم پکڑتے ہو تو جابروں اور سفاکوں کی طرح پکڑتے ہو۔"

اس حیوانیت اور سفاکیت کا مظاہرہ کر کے جوان سال انجینئر جو اپنے ماں باپ بھائی بہنوں، پورے خاندان اور ہمسائیوں کے لیے ایک صالح، سلیم الفطرت، باکردار اور درخشندہ ستارہ تھا جامِ شہادت نوش کر گیا۔ اِنا للہ وَ اِنا الیہ راجعون۔ اس سفاکانہ قتل کے خلاف تین دن تک برابر لوگوں کا زبردست احتجاج اور مظاہرہ ہوتا رہا۔

﴿اَلَا لَعْنَةُ اللهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ٥﴾

"خبردار ہو کر سُنو! اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔"

ان تازہ ترین خونین واقعات کے ساتھ ساتھ برس ہا برس سے جموں کشمیر اور بھارت کی مختلف جیلوں میں قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کرنے والوں کی یادیں تازہ کر کے بھی ہماری عید خوشیوں کی نہیں، غموں، ماتموں اور سوگواروں کی عید ہے۔

ان قیدیوں کی بے بسی اور بے کسی دیدنی ہے۔ ہمارے پاس ذرائع اور وسائل نہیں کہ ہم ان کی مطلوبہ معیار تک خبر گیری کر سکیں لیکن اپنے محدود ذرائع کی بنیاد پر ہم تحریک حریت کی طرف سے بغیر کسی امتیاز کے ان کیسوں کی پیروی کرتے ہیں اور تاریخ پیشیوں کے موقع پر ان کی گوناگوں مشکلات کو کم کرنے میں حتی الامکان مدد کرتے ہیں۔ اگر ہماری قوم بالعموم اور اصحابِ ثروت بالخصوص اس جانب توجہ دیں تو تحریک حریت اطمینان بخش حد تک

ان کے لوازمات پورے کرنے کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دے سکتی ہے۔ وکلا حضرات کی خدمات کے بھی ہم شکرگزار ہیں کہ عدالتوں میں جدوجہد آزادی کے ان محبوس پروانوں کی دلجوئی اور کیسوں کی پیروی میں اپنا منصبی فریضہ انجام دینے میں کوئی کوتاہی نہیں برتتے ہیں۔ ذرائع اور وسائل کی زبردست کمی جو معیار مطلوب تک پہونچنے میں حائل ہورہی ہے۔

نظر بندوں کی رہائی کے لیے رمضان المبارک میں دعاؤں میں یاد کرنا، اُن کے پسماندگان اور لواحقین کے لیے عید کی ضروریات میں اُن کی مالی مدد کرنا، خاص طور صدقۂ فطر اجتماعی طور جمع کر کے ان مستحقین تک پہنچانا اور جمعۃ الوداع کو نمازوں کی ادائیگی کے بعد پُرامن مظاہروں میں محبوس اور مظلوم قیدیوں کے لیے آواز بلند کرنا ہم سب کا فرض بنتا ہے۔ رمضان المبارک میں جن مسلمانوں نے روزے رکھے، تراویح کی نمازیں پڑھیں اور روزوں کے دوران اُن پابندیوں کا بھی پاس ولحاظ رکھا، جن کا قرآن وسنت کی تعلیمات میں تقاضا ہے، اُن کے لیے فی الواقع خوشی اور مسرت کا پیغام ہے۔ روزہ فرض کئے جانے کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں اعلان کرتے ہوئے اصل مقصد کی بھی نشاندہی کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَـاَيُّهَـا الَّـذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۵﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ تم پر روزے فرض کر دئے گئے۔ جس طرح تم سے پہلے انبیاء کی اُمتوں پر فرض کئے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔''

گویا روزوں کا اصل مقصد اور مدعا تقویٰ پیدا کرانا ہے۔ تقویٰ کی حقیقت اور اصلیت کیا ہے اس کی بہترین تشریح اور نشاندہی مفکر اسلام علامہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے کی

ہے۔ اس سے بہتر وضاحت آج کے دور میں شاید ہی کہیں دیکھنے اور پڑھنے میں آجائے۔ اس لیے ہم اُن کے ان ارشادات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کر کے یہ اُمید رکھیں گے کہ ہم تقویٰ کی اصل حقیقت کا ادراک کر کے اس کے اپنے اندر پیدا کرنے کی طرف توجہ دیں گے اللہ سے توفیق طلب کریں گے کہ وہ ہمیں حقیقی تقویٰ حاصل کرنے کی قوت، استطاعت اور توفیق بخشے تا کہ رمضان المبارک میں حقیقی تقویٰ حاصل کر کے سال کے گیارہ مہینوں میں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس کے اثرات اور ثمرات سے استفادہ کر سکیں۔ یہی روزوں کی اصل غایت ہے:

حقیقی اور مصنوعی تقویٰ

''تقویٰ کیا چیز ہے؟ تقویٰ حقیقت میں کسی وضع وہیئت اور کسی خاص طرز معاشرت کا نام نہیں ہے۔ بلکہ دراصل وہ نفس کی اس کیفیت کا نام ہے جو خدا ترسی احساس ذمہ داری سے پیدا ہوتی ہے اور زندگی کے ہر پہلو میں ظہور کرتی ہے۔

حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا کا خوف ہو' عبدیت کا شعور ہو' خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری و جواب دہی کا احساس ہو' اور اس بات کا زندہ ادراک موجود ہو کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے جہاں خدا نے ایک مہلت عمر دے کر مجھے بھیجا ہے اور آخرت میں میرے مستقبل کا فیصلہ بالکل اس چیز پر منحصر ہے کہ میں اس دیے ہوے وقت کے اندر اس امتحان گاہ میں اپنی قوتوں اور قابلیتوں کا کس طرح استعمال کرتا ہوں۔ اس سروسامان میں کس طرح تصرف کرتا ہوں جو مشیت الٰہی کے تحت مجھے دیا گیا ہے' اور ان انسانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں جن سے قضائے الٰہی نے مختلف حیثیتوں سے میری زندگی متعلق کر دی ہے

یہ احساس و شعور جس شخص کے اندر پیدا ہو جائے اس کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے' اس کی دینی حس تیز ہو جاتی ہے' اس کو ہر وہ چیز کھٹکنے لگتی ہے جو خدا کی رضا کے خلاف ہو۔ اس کے

مذاق کو ہر وہ شے ناگوار ہونے لگتی ہے جو خدا کی پسند سے مختلف ہو۔ وہ اپنے نفس کا آپ جائزہ لینے لگتا ہے کہ میرے اندر کس قسم کے رجحانات ومیلانات پرورش پا رہے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کا خود محاسبہ کرنے لگتا ہے کہ میں کن کاموں میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں صرف کر رہا ہوں۔ وہ صریح ممنوعات کو تو درکنار، مشتبہ امور میں بھی مبتلا ہوتے ہوئے خود بخود جھجکنے لگتا ہے۔ اس کا احساسِ فرض اسے مجبور کر دیتا ہے کہ تمام اوامر کو پوری فرمان برداری کے ساتھ بجا لائے اس کی خداترسی ہر اس موقع پر اس کے قدم میں لرزش پیدا کر دیتی ہے جہاں حدود اللہ سے تجاوز کا اندیشہ ہو۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی نگہداشت آپ سے آپ اس کا وتیرہ بن جاتی ہے۔ اور اس خیال سے بھی اس کا ضمیر کانپ اٹھتا ہے کہ کہیں اس کی کوئی بات حق کے خلاف سرزد نہ ہو جائے۔

یہ کیفیت کسی ایک شکل یا کسی مخصوص دائرۂ عمل میں ہی ظاہر نہیں ہوتی بلکہ آدمی کے پورے طرزِ فکر اور اس کے تمام کارنامۂ زندگی میں اس کا ظہور ہوتا ہے اور اسکے اثر سے ایک ایسی ہموار و یک رنگ سیرت پیدا ہوتی ہے جس میں آپ ہر پہلو سے ایک ہی طرز کی پاکیزگی وصفائی پائیں گے۔ بخلاف اسکے جہاں تقویٰ اس چیز کا نام رکھ لیا گیا ہے کہ آدمی چند مخصوص شکلوں کی پابندی اور مخصوص طریقوں کی پیروی اختیار کر لے اور مصنوعی طور پر اپنے آپ کو ایک ایسے سانچے میں ڈھال لے جس کی پیمائش کی جا سکتی ہو، وہاں آپ دیکھیں گے کہ وہ چند اشکال تقویٰ جو سکھا دی گئی ہیں، ان کی پابندی انتہائی اہتمام کے ساتھ ہو رہی ہے۔ مگر اس کے ساتھ زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں وہ اخلاق، وہ طرزِ فکر اور وہ طرزِ عمل بھی ظاہر ہو رہے ہیں جو مقامِ تقویٰ تو درکنار، ایمان کے ابتدائی مقتضیات سے بھی مناسبت نہیں رکھتے، یعنی حضرتِ مسیحؑ کی تمثیلی زبان میں مچھر چھانے جا رہے ہیں اور اونٹ بے تکلفی کے ساتھ نگلے جا رہے ہیں......

میری ان باتوں کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وضع قطع، لباس اور معاشرت کے ظاہری پہلوؤں کے متعلق جو آداب واحکام حدیث سے ثابت ہیں، میں ان کا استخفاف کرنا چاہتا

ہوں، یا انہیں غیر ضروری قرار دیتا ہوں۔ خدا کی پناہ اس سے کہ میرے دل میں ایسا کوئی خیال ہو۔ دراصل جو کچھ میں آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اصل شئے حقیقتِ تقویٰ ہے نہ کہ یہ مظاہر.......

پہلی چیز دیر طلب اور صبر آزما ہے، بتدریج نشو نما پاتی اور ایک مدّت کے بعد برگ وبار لاتی ہے، جس طرح بیج سے درخت کے پیدا ہونے اور پھل پھول لانے میں کافی دیر لگا کرتی ہے۔ اسی لیے سطحی مزاج کے لوگ اس سے اُپراتے ہیں۔ بخلاف اس کے دوسری چیز جلدی اور آسانی سے پیدا کرلی جاتی ہے، جیسے ایک لکڑی میں پتے اور پھل اور پھول باندھ کر درخت کی سی شکل بنادی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تقویٰ کی پیداوار کا یہی ڈھنگ آج مقبول ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو توقعات ایک فطری درخت سے پوری ہوتی ہیں، وہ اس قسم کے مصنوعی درختوں سے کبھی پوری نہیں ہوسکتیں۔''

(حکمتِ مودودیؒ، روداد جماعت اسلامی، سوم، ص ۲۴۳-۲۴۸)

صیام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے شَهْرُ الصَّبرُو المواسات۔ یہ صبر اور ہمدردی برتنے کا مہینہ ہے۔ ہمدردی برتنے کی عملی صورت یہ ہے کہ ہم صدقۂ فطر، عید الفطر سے پہلے پہلے اجتماعی طور جمع کریں اور پھر اپنی بستیوں اور گردوپیش کے مستحقین اور محتاجوں تک پہنچائیں۔ تاکہ وہ بھی عید کی ضرورتوں کو پورا کرسکیں۔ ہمارے معاشرے میں کمزور اور پسماندہ طبقہ دین دُشمن اور شرک وبدعت اور کفر وضلالت پھیلانے والوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ اس کی ساری ذمہ داری معاشرہ کے آسودہ حال اور اصحاب ثروت پر عائد ہوتی ہے اُن کو جو اللہ تعالیٰ نے وُسعتِ دست اور مالی استطاعت بخشی ہے۔ اُس میں غریب طبقہ کا حق ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ ﴾

''جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے'' (المعارج ۲۴،۲۵)

﴿ وَفِیٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝﴾

''اور اُن کے مالوں میں حق ہے سائل اور محروم کے لئے'' (الذاریات، ۱۹)

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حق صدقات واجبہ، زکوٰۃ، عشر اور صدقہ فطر کے علاوہ بھی ہے۔ جس کو ادا کیا جانا چاہیے تا کہ کمزور اور پچھڑا ہوا طبقہ، مایوسیوں اور محرومیوں کا شکار ہو کر پورے معاشرے کے لیے وبالِ جان نہ بن جائے اور پھر دین دُشمن عناصر کو اُن کو استعمال کرنے اور استحصال کرنے کا موقع نہ مل جائے۔ جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ NGO's کے نام پر یتیموں، بیواؤں اور مالی لحاظ سے کمزور کا کس طرح استحصال کرتے ہیں۔ مشینری ادارے کھل کر کس طرح ہماری نئی نسل کو دین سے دور لے جا رہے ہیں۔ اس کے بارے میں سب مسلمانوں سے پوچھ گچھ ہوگی خاص طور آسودہ حال طبقے سے۔

حرفِ آخر

عید الفطر کی نسبت سے جو گذارشات ان صفحات میں کی گئی ہیں اُن کا اصل مقصد ومدعا یہ ہے کہ ہم موجودہ حالات کا جائزہ لیں اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں۔ دُنیا میں جبر واستبداد کا جو دور دورہ ہے اُس کا سدِ باب کرنے کے لیے قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق حرکت میں آ جائیں اور ظالموں کا ہاتھ روکنے کے لیے آگے بڑھیں۔ بزدلی، مرعوبیت اور بے بسی کے دلدل سے نکل کر عزیمت وبلند حوصلگی کے ساتھ صف بستہ ہو جائیں تا کہ جارح قوتوں کے لیے مزاحمت کی دیواریں کھڑا ہو جائیں اور وہ اسلام اور مسلمانوں کو تہہ تیغ اور زیر کرنے کے لیے اور زیادہ جری اور بے باک نہ بنیں۔ شعوری مسلمانوں کے لیے مادی اسلحہ کی بنیادی اہمیت نہیں ہوتی ہے۔ اولین اہمیت اُن کے ایمان وایقان کی ہوتی ہے۔ مادی ذرائع اور وسائل کی اپنی اہمیت ضرور ہے مگر ثانوی۔ اس لیے اقبال مرحومؒ نے بجا طور فرمایا ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مؤمن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی!

بے تیغ وتفنگ، اللہ غالب وقاہر پر یقین کامل اور بھرپور اعتماد کے سہارے لڑا جاتا ہے اور اس لڑائی میں کبھی مؤمن ناکام نہیں ہوجاتا ہے۔ آج آپ بچشم سر دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس کتنے ذرائع اور وسائل ہیں۔ مگر وہ بے یقینی اور بے غیرتی کا شکار ہوچکے ہیں۔ اُن کا اسلحہ، ایٹم بم، ایف 16 اور میزائیل سب کچھ دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے اور جارح قوتیں اُن کے شانوں پر سوار ہوکر مسلم ممالک پر یلغار کرتے ہیں اور وہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ بلکہ جارح قوتوں کے آلہ کار بن کر اپنی جانوں کی خیر مناتے ہیں۔

اس صورتحال کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ مسلمان کے لیے تربیتی نظام، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اسی لیے ہے کہ وہ اس تربیتی نظام سے تربیت پاکر دُنیا سے فساد مٹانے کے لیے سرگرم عمل ہوجائیں۔ دُنیا کے تشنہ میر انسان کو عدل وانصاف کا نظام دیں۔ مظلوموں، محکوموں اور بے بسوں کو ظلم واستبداد کے شکنجوں سے آزاد کریں۔ حدود اللہ کو پامال کرنے والوں کے قدم روکیں۔ انسانی خون بہانے والوں، عزتیں اور عصمتیں لوٹنے والوں، بستیوں کو اُجاڑنے اور مسمار کرنے والوں کے ہاتھ روکیں اور فتنہ وفساد سے بھری دُنیا کو امن وآشتی کا گہوارہ بنائیں۔ انسان کو انسانیت کا مقام دلائیں۔ اُس کو اللہ کی بندگی کا راستہ دکھا کر اپنا فرضِ منصبی انجام دیں۔ عالمی سطح پر اس آفاقی اور عالمگیر مشن کی انجام دہی کی منزل سامنے رکھتے ہوئے اپنے اپنے مقامی ماحول میں اس کا آغاز کریں۔

اسی تربیت اور نسبت سے جموں کشمیر کے عوام کی غالب اکثریت کو کامل یکسوئی اور اسلامی کردار کی مضبوط قوت اور طاقت کے ساتھ بھارت کے فوجی قبضے اور جبر واستبداد سے نجات حاصل کرنے کے لیے انتھک کوشش کرنا ہے۔ حصولِ حق خودارادیت ہمارا بنیادی اور

پیدائشی حق ہے۔ اس حق کو بھارت نے فوجی طاقت کی بنیاد پر سلب کرلیا ہے۔ ہمیں بحیثیت کل اس اندھی اور بے اصول طاقت کے ساتھ پوری جرأت، ہمت اور حوصلہ کے ساتھ سینہ سپر ہونا ہے۔ حقِ خودارادیت کے بنیادی مؤقف سے ہٹنے والے لوگوں نے انحراف اور اضمحلال کا راستہ اختیار کرلیا ہے۔ نئے نئے فارمولے، روڈمیپ، سیلف رول، اندرونی خودمختاری جوں کی توں صورتِ حال، نرم سرحدیں، تجارت اور خونین لکیر سے آمدورفت کی سہولتیں، یہ سب فریب، دھوکہ اور فرار کی راہیں ہیں۔ ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اور ایسے نعرے سر کرنے والوں سے دامن بچاتے ہوئے ہمیں کامل یکسوئی اور یکجہتی کے ساتھ صرف اور صرف استصواب رائے عامہ پر توجہ مرکوز کرنا ہوگی۔ یہی ہماری کامیابی کی ضمانت ثابت ہوگی انشاءاللہ!

تحریک حریت جموں وکشمیر اسی بنیادی مؤقف کی ترجمانی اور ضامن ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ہم یکسو ہوکر اس مبنی بر صداقت مؤقف کے حصول کے لیے عوامی قوت فراہم کریں، تو اللہ ہماری مدد کریگا اور ہم بھارت کے فوجی قبضے سے آزاد ہوکر عدل وانصاف کے حیات بخش اصولوں کے سایے میں اپنی اور نئی نسل کی زندگیوں کو گذارنے کے مواقع سے فیض یاب ہوں گے۔ انشاءاللہ!

نہ ہو نومید نومیدی زوالِ علم وعرفان ہے
اُمید مردِ مؤمن ہے خدا کے راز دانوں میں!

اقبالؒ

SAiRA ABBASi

عیدالفطر 2009ء

خزاں میں مجھکو رُلاتی ہے یاد فصلِ بہار
خوشی ہو عید کی کیوں کر کہ سوگوار ہوں میں!

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ ۝

”رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں“ (البقرہ: ۱۸۵)

رمضان المبارک کی امتیازی شان اور عظمت یہی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے ہدایت اور راہنمائی کا سامان فراہم کر دیا ہے۔ اس ہدایت اور راہنمائی کی کتاب کا نام القرآن ہے۔ القرآن کا مطلب ہے سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب۔ آج اکیسویں صدی میں بھی اگر جائزہ لیا جائے تو فی الواقع معلوم ہو جائے گا کہ یہی کتاب سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے، یاد کر لی جاتی ہے، ذہن اور سینے میں محفوظ کر دی جاتی ہے۔ کسی آسمانی کتاب کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ کروڑوں لوگوں کے دلوں اور سینوں میں من و عن محفوظ اور از بر ہو گی۔

اس کتاب کی دوسری صفت ہے کہ یہ دُنیا کے سب انسانوں کے لیے ہدایت اور راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ یہ انسان کو اپنا مقام یاد دلاتی ہے۔ یہ انسان کو اپنے پیدا کرنے

والے خالق اور پرورش و پرداخت کرنے والے ربّ کی پہچان کراتی ہے۔ یہ انسان کو مہد سے لے کر لحد تک زندگی کے تمام معاملات میں سکھاتی اور بتاتی ہے کہ تجھے کیا کرنا ہے اور کس طرح اپنی زندگی گذارنا ہے۔ گھر کی زندگی، بازار کی زندگی، انفرادی زندگی، اجتماعی زندگی، معاشی زندگی، صلح اور امن کی زندگی اور فساد مٹانے کے لیے جنگ کی زندگی، انسان کیلئے ترقی اور خوشحالی کی زندگی، امن و آشتی اور بھائی چارے اور آپسی میل ملاپ کی زندگی۔ انسان کے ساتھ انسانیت کی بنیادوں پر گذارنے اور بسر کرنے کی زندگی، غرض زندگی کے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں یہ کتاب راہنمائی کرتی ہے۔ حتیٰ کہ زمین پر کیسے چلا جائے۔ جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۷ میں ارشاد ہوا:

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝

''زمین میں اکڑ کر نہ چلو تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو''

بظاہر یہ معمولی بات ہے کہ زمین پر انسان کے چلنے کے انداز اور چال کیا ہو۔ مگر ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ زمین پر انسان کے چلنے اور قدم رکھنے کے انداز سے اُس کو سوچ اور فکر کے نقوش اُبھر آتے ہیں۔ جباروں اور متکبروں کی چال بالکل نمایاں ہوتی ہے اور اللہ کی بندگی میں زندگی گذارنے والوں کی چال بالکل مختلف ہوتی ہے۔

اس دوسری صفت سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کتاب صرف عربوں کے لیے نہیں اتری ہے اور نہ کسی خاص قوم کے لیے اور نہ آج کے دور میں اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والوں کے لیے ہی بلکہ یہ کتاب دنیا کے سب انسانوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ، منبع اور مصدر ہے۔ مشرق اور مغرب، شمال اور جنوب، گورے اور کالے، امیر اور غریب کوئی بھی زبان بولنے والے سب کی ہدایت کی یہ واحد ضمانت ہے۔

اس کتاب کی تیسری صفت یہ ہے کہ یہ واضح اور غیر مبہم الفاظ اور انداز میں ہدایت کا اصول پیش کرتی ہے۔ انسان جب اس کو قلب و ذہن کی یکسوئی کے ساتھ سمجھ کر پڑھے گا تو اُسے خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ اس میں کوئی شک وشبہ کی بات نہیں ہے۔ نہ اس کے اللہ کا کلام ہونے میں شک ہے اور نہ اس میں شک اور ریب پیدا کرنے والی کوئی بات ہے۔ شرط صرف ایک ہی ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے والا پہلے اپنے ذہن میں کچھ رچائے بسائے نہ آیا ہو اور پھر وہ اس کتاب سے اپنے ان خیالات اور نظریات کی تائید چاہتا ہو۔ دل کی تختی پر کوئی چیز پہلے ہی لکھے بغیر آپ اس کتاب کو پڑھیں گے تو یہ آپ کے دل میں جگہ کرنے اور نقش ہو جانے کی باتیں بتائے گی۔

اس کتاب کی چوتھی صفت یہ ہے کہ یہ فرقان ہے۔ پرکھ کرنے والی کسوٹی ہے۔ سونے کے رنگ کی دھات پیتل بھی ہوتی ہے۔ اصل سونے اور پیتل کے درمیان پہچان اور پرکھ کرنے والی کسوٹی ہوتی ہے۔ کسوٹی پر رکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل سونا کیا ہے اور محض سونے کے رنگ سے دھوکہ دینے والا پیتل کیا ہے۔ انسان کو زندگی کے ہر معاملے میں اسی کسوٹی کی ضرورت پڑتی ہے۔ کسی انسان کے پاس اپنی عقل کسوٹی ہوتی ہے لیکن یہ کامل اور بے نقص کسوٹی نہیں ہے۔ انسان کے پاس باپ دادا کے طور طریقے بھی پرکھنے اور ردّ و قبول کے معیار ہوتے ہیں مگر اس کو بھی قابل اعتماد قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ آخر وہ بھی تو انسان ہوتے ہیں۔ ان کی عقل اور سوچ بھی محدود ہوتی ہے۔ انسان اپنے جیسے دوسرے انسانوں، لیڈروں، پاپاؤں، مولویوں، ملاؤں اور سنیاسیوں کو بھی معیار بناتا ہے لیکن یہ سب طواتف حق و باطل کی فرق کے معیار ثابت نہیں ہو سکتے ہیں۔ انسان کے لیے اصل اور قابل قبول معیار صرف اور صرف یہ ہے کہ اُس کے پیدا کرنے والے خالق و مالک اور ربّ نے اس کے لیے پرکھ کا کونسا معیار اس کو دیا ہے۔ اسی بنیاد پر انسانی معاشرے میں دو حصے ہو جاتے ہیں۔ ایک حصہ اللہ کی طرف سے دی گئی اس کسوٹی کو تسلیم کرتا ہے اور آبادی کا ایک حصہ اس کسوٹی کو

تسلیم نہیں کرتا ہے۔ انسانی معاشرے کے اس حصے پر ہم جبر نہیں کر سکتے کہ تم لازماً اس کسوٹی اور ہدایت کے اس سرچشمہ کو تسلیم کرو کیونکہ یہ کتاب ہم کو جبر کرنے سے صریحاً منع کرتی ہے۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْـحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَـاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَـہٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ ؕ مَـنْ ذَاالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا یُـحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَاشَآءَ ۚ وَسِـعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـؤُدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ... (البقرہ: ۲۵۵، ۲۵۶)

ترجمہ ''اللہ وہ زندۂ جاوید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہ نہ سوتا ہے اور نہ اُسے اُونگھ لگتی ہے۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے۔ کون ہے جو اُس کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ اُن سے اوجھل ہے، اس سے بھی وہ واقف ہے اور اُس کی معلومات میں سے کوئی چیز اُن کی گرفتِ ادراک میں نہیں آسکتی اِلّا یہ کہ کسی چیز کا عِلم وہ خود ہی اُن کو دینا چاہے۔ اُس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور اُن کی نگہبانی اس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے۔ بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے''۔ ''دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے''

''یہاں دین سے مراد اللہ کے متعلق وہ عقیدہ ہے جو آیت الکرسی میں بیان ہوا ہے اور پورا نظامِ زندگی ہے جو اس عقیدے پر بنتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ 'اسلام' کا یہ اعتقادی اور اخلاقی و عملی نظام کسی پر زبردستی نہیں ٹھونسا جا سکتا ہے۔ یہ ایسی چیز ہی نہیں ہے جو کسی کے سر جبراً منڈھی جا سکے''۔

جبر و اکراہ کے بغیر ماننے والوں پر لازم ہے کہ وہ قرآن کے دئے ہوئے اس پورے نظام کو بطیبِ خاطر قبول کریں اور اس کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی گذارنے

کی کوشش کریں۔ اس نظام کی کچھ تفصیل یہاں سامنے لانے کی ضرورت ہے کیونکہ اکثر و بیشتر مسلمان اس نظام کی تفصیلات سے بالکل بے خبر ہیں۔ روزوں کے موسم میں ہم الحمد اللہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ تراویح میں بھی قرآن پاک سنتے ہیں لیکن اس نظام کو جو قرآن اپنے ماننے والوں کے سامنے رکھتا ہے اُس سے ہم بے بہرہ ہیں۔ اس کو نہ ہم اپنی انفرادی زندگی میں اور نہ ہی اجتماعی زندگی میں جگہ دیتے ہیں۔ اسی لیے ہمارا یہ حال ہوگیا ہے۔ بقول اقبالؒ

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہوکر!

انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہم نے قرآن پاک سے راہنمائی حاصل کرنا مکمل طور ترک کردیا ہے اور زندگی کی اُن پگڈنڈیوں پر چل رہے ہیں جو ہمیں اپنی اصل بنیادوں سے دور لے جا رہی ہیں۔ ہم اپنی جگہ سمجھتے ہیں کہ ہم اسلام کے راستے پر چل رہے ہیں مگر یہ ہماری جاہلیت اور قرآنی تعلیمات سے بے خبری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ

ترسم کہ نہ رَسی بہ کعبہ اے اعرابی
کہ ایں راہ تو مئی روی بہ ترکستان است!

”اے اعرابی مجھے اندیشہ ہے کہ تم کعبہ نہیں پہنچ پاؤ گے۔ اس لیے کہ تم جس راستے پر چل رہے ہو وہ کعبہ کے بجائے ترکستان کی طرف جا رہا ہے۔ مسلم معاشرہ کے روزہ دار روزے رکھتے ہیں مگر روزہ کی روح اور غایت سے غافل اور بے خبر ہیں۔ روزوں میں کھانا پینا چھوڑ دینا روزہ داری کی ظاہری شکل ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ روزہ دار کو تقویٰ حاصل ہو جائے۔ تقویٰ کا مقصد ہے زندگی کے ہر کام میں اطاعتِ اللہ اور اطاعتِ رسول ﷺ کا بھرپور مظاہرہو۔ اگر روزہ دار یہ سوچے کہ اللہ نے مجھ پر حلال چیزوں کو دن میں حرام ٹھیرایا ہے اس طرح زندگی میں

وہ حلال وحرام کی Authority اللہ کو تسلیم کرتا ہے۔ روزوں کے بعد وہ اس Authority کو بالکل بھول جاتا ہے۔ جب اللہ کے حکم سے حلال چیزیں حرام ٹھہرائی جائے اور روزہ داران سے پرہیز کرتا ہے تو جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے مستقل طور حرام قرار دی ہیں وہ روزہ رکھنے والے مسلمان کے لیے کیسے حلال اور جائز ہو سکتی ہیں۔ اللہ نے شراب کو حرام قرار دیا ہے لیکن روزوں کے بعد مسلمان اس حرام کو استعمال بھی کرتے ہیں، اس کا کاروبار بھی کرتے ہیں، اس کی کشید بھی کرتے ہیں اور اس کو جائز ٹھہرانے والوں کا ساتھ بھی دیتا ہے۔ اللہ نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ روزہ دار روزوں کے دوران میں بھی سودی کاروبار کرتا ہے اور روزوں کے بعد بھی اس کو اپنے لیے حلال اور جائز سمجھتا ہے۔ ایسے روزہ داروں کے لیے جو صرف روزوں کے جسم کا خیال رکھتے ہیں اس کی اصل اور اس کی روح کے بارے میں بے فکر اور غافل ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

> مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ.
>
> ''حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جھوٹ بولنا اور اُس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اُس کی کچھ حاجت نہیں کہ وہ روزہ رکھے اور کھانا پینا چھوڑ دے''۔ بخاری مسلم

اس حدیث پر ذرا غور کیا جائے کہ جھوٹ بولنا تک ہی بات محدود نہیں ہے بلکہ جھوٹ پر عمل کرنا بھی فرمایا۔ اس کا ساری زندگی کے کاموں پر اطلاق ہوتا ہے۔ ہم اجتماعی زندگی میں جھوٹ کا ساتھ دیتے ہیں۔ جھوٹے نظریات اور اصولوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ جن طریقوں پر وقت کے حاکم ہم کو چلاتے ہیں اُن کی بنیاد جھوٹ پر ہوتی ہے۔ اُن کے اعمال اور کرتوت جھوٹ اور بدیوں کے پھیلاؤ پر مبنی ہوتے ہیں۔ وہ الحادی اور خدا بیزار سیاست کے علمبردار ہوتے ہیں اور ہمارے روزہ دار لوگ اُن کا ساتھ دیتے ہیں۔ اس وقت وہ بھول جاتے ہیں

SAiRA ABBASi

کہ جس اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کی تابعداری میں ہم روزہ رکھتے ہیں اُس نے جھوٹ کا ساتھ دینا اور جھوٹ پر عمل کرنا، روزوں کی روح اور غایت کے خلاف قرار دیا ہے۔ مگر پھر بھی ہم سب کچھ کر گذرتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو اور گردو پیش کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم روزہ دار ہیں۔ اللہ اور رسول ﷺ کو دھوکہ نہیں دے سکتے وہ اس کے اعمال پر نظر رکھتے ہیں۔

جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِ کُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ .

”اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے“۔ (رواہ مسلم)

اس لیے ہر مسلمان کو ہمیشہ اپنے دل کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے اور اپنے اعمال پر نگاہ رکھ لینی چاہیے۔ دل میں خلوص، للّٰہیت اور رضائے اِلٰہی مطلوب ہو اور اعمال میں اطاعت اللہ اور اطاعت رسول ﷺ کا رنگ غالب ہو۔ نام و نمود اور ریا کاری سے اعمال پاک ہوں۔ رضائے اِلٰہی اور فلاحِ آخرت مقصود و مطلوب ہو اور اصل میں روزہ دار کو روزہ اسی لیے تیار کرتا ہے۔ روزہ رکھنے سے اس کے ایمان میں تازہ گی اور خُدا کا خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ خلوت میں بھی کھانے سے پرہیز کرتا ہے اس یقین کے ساتھ کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ ایسے ہی روزہ داروں کے لیے عید انعام کا دن ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے سعد ابن اوس انصاریؓ اپنے باپ اوس انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب عید الفطر کا دن آجاتا ہے تو خدا کے فرشتے تمام راستوں کے نکڑ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”اے مسلمانو! ربّ کے پاس چلو جو بڑا کریم ہے اور جو نیکی اور بھلائی کی باتیں بتاتا اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ پھر اُس پر بہت زیادہ انعام دیتا ہے۔ تمہیں اُس کی طرف سے تراویح پڑھنے کا حکم دیا گیا اور تم نے تراویح پڑھی۔ تم کو ان میں روزے رکھنے کا حکم دیا گیا اور تم نے روزے رکھے اور اپنے

ربّ کی اطاعت گذاری کی تو اب چلو اپنا انعام لے لو۔ اور جب لوگ عید کی نماز پڑھ کر نکلتے ہیں تو خدا کا ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ اے لوگو! تمہارے ربّ نے تمہاری بخشش فرما دی بس تم اپنے گھروں کو کامیاب و کامران لوٹو۔ یہ عید انعام کا دن ہے اور اس دن کو فرشتوں کی دُنیا میں ''آسمان'' پر انعام کا دن کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب روزہ داروں اور تراویح پڑھنے والوں کو اس انعام سے نوازے۔ آمین!

SAiRA ABBASi

عید کن حالات میں ہم منا رہے ہیں

عید کی خوشیاں ہمارے لیے بالکل عارضی اور رسمی ہیں کیونکہ پوری قوم ایسی صورتحال سے دوچار ہے جس کو بدترین قسم کی غلامی سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ غلام قوموں کی عید، عیدگاہوں اور مساجد میں نمازیوں کے ہجوم کے بغیر کچھ اور نہیں ہوتا ہے۔ اصلی اور حقیقی عید اُن لوگوں کی ہوتی ہے جو بندوں کی بندگی سے آزاد ہو کر صرف اور صرف اللہ کی بندگی اور رسول رحمت ﷺ کی اطاعت میں زندگی گذارنے کے مواقع سے فیض یاب ہوں۔ بقولِ اقبالؒ

عید آزاداں شکوہ ملک و دین
عید محکوماں ہجوم مؤمنین!

جموں وکشمیر کی غالب اکثریت کو بھارت نے فوجی طاقت کی بنیاد پر پنجہء استبداد میں جکڑ دیا ہے اور یہ استبدادی پنجہء گذشتہ 62 سال سے روز بروز مضبوط سے مضبوط تر بنایا جا رہا ہے۔ بھارت کے استعماری حربے اور جوع الارض کے منصوبے بڑے خطرناک، دور رس نتائج کے حامل اور ہماری آئندہ آنے والی نسلوں کے تاریک ترین مستقبل کی گھنٹی ہے۔ بھارت کی 8 لاکھ فوج کے قبضے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ فوج نام نہاد سول حکومت کو آلہ کار کے طور پر استعمال کر کے یہاں کی زمینوں پر بے تحاشا قبضہ کرتی ہے اور رہائشی کوارٹر بنانے میں مصروف ہیں۔ جنگلات میں سرسبز وشاداب درخت کاٹے جاتے ہیں اور بلڈوزروں سے زمین ہموار کر کے

وہاں بارکیں بنائی جارہی ہیں۔ زمینوں پر بے تحاشا قبضہ کرکے اب تک جو عدادوشمار لائے جارہے ہیں وہ سرکاری اعدادوشمار سے کہیں زیادہ ہیں۔ 28لاکھ کنال سے زیادہ زمین پر انہوں نے قبضہ کیا ہے اور من مانی کارروائیاں کرکے قبضے کو مستحکم اور دائمی شکل دینا چاہتے ہیں۔ ایک عام انسان بھی اگر عارضی مراعات کے سراب کا شکار ہوئے بغیر سوچے گا تو وہ اپنی آنے والی نسل کے مستقبل کے بارے میں لازماً مضطرب اور فکرمند ہوگا۔ بھارت اس پورے خطے پر اپنی بالادستی قائم کرنا چاہتا ہے۔ یہ ابتداء سے ہی ان کے عزائم اور ارادے ہیں۔

آنجہانی پنڈت نہرو نے اپنی کتاب Discovery of India, Page 50 میں لکھا تھا کہ:

> ’’ہندوستان جیسا کہ فطرت نے اس کو بنایا ہے، دنیا کے اُمور میں ایک ثانوی درجہ کا رول ادا نہیں کرسکتا۔ وہ یا تو عظیم قوت تسلیم کیا جائے گا یا پھر کچھ بھی نہیں ہوگا۔ کوئی درمیانی چیز میرے لیے جاذبیت نہیں رکھتی اور نہ میں بیچ کی کسی صورتِ حال کو ممکن ہی سمجھتا ہوں‘‘
>
> ’’ان توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کے لیے پہلے تو ہندوستان نے فوج سے دیگر ریاستوں مثلاً بھوٹان وغیرہ کو ہڑپ کیا۔ پھر دسمبر 1971ء میں مشرقی پاکستان پر فوج کشی کرکے دنیا کی سب سے بڑی مسلم ریاست پاکستان کے دو ٹکڑے کیے۔ سندھ اور بلوچستان میں علیحدگی کی قوم پرستانہ تحریکوں کی سرپرستی حاصل کی جارہی ہے‘‘
>
> (بحوالہ مسئلہ کشمیر، صفحہ ۶۳)

کشمیر میں بھارت نے قومی اور بین الاقوامی سطح پر کیے گئے وعدوں سے انحراف کرکے اپنا فوجی تسلط اسی لیے برقرار رکھا ہے کہ پاکستان اور افغانستان پر نظریں جمائے رکھے۔ چنانچہ کھلے عام یہ باتیں بھی کی جارہی ہیں کہ ’’افغانستان بھی بھارت کا حصہ تھا اور پاکستان تو نیا بنا ہے اور ہر نئی تخلیق کو ختم ہونا ہے۔‘‘

کشمیر میں فوجی چھاونیاں بنائی جارہی ہیں۔ جنگلات کے دامنوں میں زمینوں پر جبراً قبضہ کیا جارہا ہے۔ گلمرگ، پہلگام، سونہ مرگ صحت افزا مقامات پر فوج کا تسلط پایا جارہا ہے۔ یہ اسرائیلی طرز کی پالیسی ہے کہ دُنیا کے گوشے گوشے سے لاکر یہودیوں کو بسایا گیا اور اصلی باشندوں کو ملک بدر کردیا گیا ہے۔ اس وقت بھی اسرائیل فلسطین کی سرزمین پر یہودیوں کو آباد کر کے فلسطین کے مقامی باشندوں کے لیے زمین تنگ کررہا ہے۔ یہاں تک کہ ان کو گھروں سے زبردستی نکال کر وہاں یہودیوں کو بسایا جارہا ہے۔ پوری دنیا خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ برابر اسی طرح کشمیر کے بارے میں بین الاقوامی اداروں یا دنیا کے طاقت ور ملک جو اپنی طاقت کے بے تحاشا استعمال سے عراق، افغانستان اور پاکستان میں تاخت وتاراج کررہا ہے اور پاکستان کی حکومت اور سیاسی قیادت اتنی خوف زدہ اور امریکی ڈالروں کی جھنکار میں اتنی مدہوش ہوگئی ہے کہ اُن کو مستقبل کے ان خطرات سے اپنی قوم اور نئی نسل کو بچانے کے لیے کوئی پریشانی اور فکر مندی نہیں ہے۔

جموں وکشمیر کے عوام کی غالب اکثریت کو ہم آنے والے خطرات سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ہماری ضمیر کی آواز اور جارح قوتوں کے عزائم کے ادراک کا تقاضا ہے۔ سیاسی اور فوجی تسلط کے ساتھ تہذیبی اور تمدنی یلغار بھی پورے زورشور سے جاری ہے۔ شراب عام کی جارہی ہے۔ مخلوط نظامِ تعلیم کو فروغ دیا جارہا ہے۔ سیاحتی مقامات پر جوان لڑکوں اور لڑکیوں کو کھلے عام گھومنے پھرنے اور رنگ رلیاں منانے کی بھرپور آزادی ہے۔ پولیس ان کو تحفظ فراہم کررہا ہے۔ DPS طرز کے تعلیمی ادارے کھول کر آنے والی نسل کو شدھ بنانے کی مہم تیزی سے جاری ہے اور اس میں ہماری قوم جو دینی اقدار سے محرومی کے نتیجے میں اس ساری تہذیبی یلغار میں ہاتھ بٹارہی ہے۔ جب کوئی قوم اخلاقی زوال اور انحطاط کا شکار ہوجاتی ہے تو اُس کو دنیا کا کوئی اسلحہ کوئی ایٹم بم یا میزائل دشمن کی گرفت میں جانے سے بچا نہیں سکتا ہے۔

انگریزوں نے بھی ہندوستان کو ذہنی طور غلام بنانے کیلئے تعلیم کا نسخہ ہی آزمایا تھا اور اس کے نتائج کو ہم سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اقبالؒ نے بجا طور فرمایا ہے۔

سینے میں رہے رازِ ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر!

بھارت ہماری نئی پود اور نئی نسل کو اسی تیزاب سے اپنے رنگ میں رنگ کر ہمالیہ کو مٹی کا ڈھیر بنا رہی ہے۔ ہمارا معاشرہ آنے والے اِن خطرات سے مجرمانہ غفلت کا شکار ہو رہا ہے۔ وہ اپنی نئی نسل کو دینی اور اخلاقی تعلیم سے محروم رکھ کر مغرب زدہ اور سومناتھ کا پجاری بنا کر اُن کا مستقبل لادین اقدار اور طرزِ زندگی کے حوالہ کر رہا ہے۔ اسپین کی تاریخ یہاں دہرائی جارہی ہے جہاں آٹھ سو سال تک مسلمان حکومت کرتے رہے اور آج قرطبہ پر عیسائی محافظ پہرہ دے رہے ہیں اور یہاں کوئی مسلمان اذان دینے والا نہیں۔

میں چیدۂ صبح کی طرح دیکھ رہا ہوں کہ بھارت کشمیر میں مسلم اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر کے، کسی بھی وقت یہاں گجرات کا کھیل کھیل سکتا ہے اور بچے کھچے لوگوں کو سرحد پار دھکیل کر پورے خطے کو ”بھارت استھان“ بنانے کے خاکوں میں رنگ بھرے گا۔ جموں کا 45% مسلمان چیونٹیوں کی طرح دبایا گیا ہے۔ وہ کسی ظلم اور جبر کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت نہیں کرتا ہے۔ 2007ء میں میں دسمبر کے مہینے میں جموں میں تھا۔ میرا یہاں پروگرام تھا کہ مساجد میں خطابات ہوں اور انفرادی طور وہاں کے ہندو اور مسلمان بھائیوں

سے رابطہ کا موقع ملے۔ پورے مہینے مجھے پولیس کی سخت ترین نگرانی میں رکھا گیا کوئی جمعہ کی نماز نہیں پڑھنے دی گئی۔ عید الاضحیٰ کو صبح چار بجے ہی پولیس ہمسایہ مکان کی دیوار پھاند کر ہماری رہائش گاہ میں گھس آئی۔ نہ عید کی نماز اور نہ ہی جمعہ کی نماز پڑھنے کا موقع دیدیا گیا۔ اسلام کی بات کرنا، اسلام کو سمجھنے اور عملانے کی طرف عوام کو متوجہ کرنا دور کی بات ہے۔ جموں انتظامیہ، پولیس، آر ایس ایس، شیوسینا اور بجرنگ دل کے یہ منصوبے ہیں جن کو پولیس اور انتظامیہ پوری کر رہی ہے۔ مساجد کے امام یا تو ہراساں کر دئے گئے ہیں یا مفادات کے بوجھ تلے دبائے گئے ہیں۔ مساجد میں خطیب اور مقرر وہی بات کریں جو انتظامیہ کی پسند اور Dictate کی ہوئی بات ہو۔ ایسے حالات میں آپ کیسے یہ اُمید اور توقع رکھ سکیں گے کہ جموں کے مسلمانوں میں صحیح اسلامی شعور پیدا ہوگا اور وہ نظریاتی بنیادوں پر اس کا دفاع کر سکے گا۔

SAIRA ABBASI

دل خراش اور جگر سوز سانحہ

29 مئی 2009ء بونہ گام شوپیاں کی دو خواتین مسماۃ نیلوفر زوجہ شکیل احمد آہنگر اور اُن کی چھوٹی ہمشیرہ آسیہ جان رنبی آرہ نالہ کے پاس باغ میں کام کرنے کے لیے گئی تھیں۔ جب وہ شام دیر گئے تک واپس نہیں لوٹیں تو اُن کے گھر والوں نے شوپیاں پولیس تھانے میں رپورٹ دی اور پولیس سے ان کی تلاش کے لیے مدد چاہی۔ پولیس نے دونوں لڑکیوں کے گھر والوں کے ساتھ باوردی نفری بھیج دی رات گئے تک وہ رنبی آرہ نالہ اور گردونواح میں پوری چھان بین کرتے رہے مگر کہیں ان لڑکیوں کا اتہ پتہ نہ ملا۔ 30 مئی کے صبح کے وقت پھر گاؤں والے اور پولیس تلاش کرنے کے لیے نکلے وہاں رنبی آرہ نالہ کے کنارے درمیان میں کچھ فاصلہ کی دوری پر دونوں کی لاشیں نیم عریاں حالت میں دیکھی گئیں۔ پورے علاقہ خاص طور شوپیاں قصبہ میں قیامت کا سماں پیدا ہوا۔ پولیس نے دونوں لاشوں کو تھانے میں لے جا کر پوسٹ مارٹم

کروایا۔ ایک خاتون ڈاکٹر نے واویلا کرنے والوں سے قرآن پاک کی قسم کھا کر کہا کہ دونوں کی عصمت دری ہوئی ہے اور پھر قتل کر دیا گیا۔ شوپیاں میں 30 مئی سے ہی سناٹا چھا گیا۔ تمام کاروبار اور زندگی کی سرگرمیاں مکمل طور معطل ہو کر رہ گئیں۔ شوپیاں ضلع کے عوام نے بے پناہ غیرت مندی کا مظاہرہ کر کے 48 دن تک تمام کاروبار معطل رکھا اور اس قیامت صغریٰ پر اپنے مجروح جذبات کا مظاہرہ کرتے رہے۔ اس کے بعد وزیر اعلیٰ پریس کانفرنس میں آئے اور بڑے پُر اعتماد لہجے میں کہا کہ نہ عصمت ریزی ہوئی نا ہی قتل، یہ ڈوبنے کا واقعہ ہے۔ یہ پہلا سرکاری ردعمل تھا۔ اس کے بعد جیسے حالات واضح ہوتے گئے اور ڈاکٹروں کی رپورٹ اور فارنسک ٹیسٹ سے واضح ہو گیا کہ یہ عصت دری اور قتل کا بہیمانہ واقع ہے۔ تو وزیر اعلیٰ نے یک نفری کمیشن بٹھا دیا جس کو ایک ماہ کے اندر اندر رپورٹ پیش کرنے کے لیے کہا گیا۔ 40 دن کے بعد جب یہ رپورٹ سامنے لائی گئی تو اس میں اصلی مجرموں کی نشاندہی کرنے کے بجائے غیر متعلق سوالات اُبھارے گئے تھے۔ جموں کشمیر کے مظلوم عوام کی اکثریت کو 62 سالہ تجربہ کے بعد بھی اس حقیقت کا ادراک نہیں ہو رہا ہے کہ بھارت کی حکومت، سیاسی قیادت، انتظامیہ اور فوج سب National Intrest بُت کے پجاری ہیں۔ ان کے نزدیک انسانی حقوق، عزت، عصمت، مال، جان سب کچھ بے وزن اور بے معنیٰ ہے۔ ان کا National Intrest مجروح نہیں ہو جانا چاہیے۔

جب کوئی قوم ایک قابض اور غاصب فوج کے نرغے میں ہو اور ان کو وسیع تر اختیارات دیئے گئے ہوں۔ قتل کرنے کے، عزت لوٹنے کے، مکانات جلانے کے، گرفتار کرنے کے، انٹروگیشن سینٹروں میں مشکوک افراد کو سر کے بل لٹکانے۔ جسموں پر رولر پھیرنے، جلتے ہوئے اسٹوؤں پر جلانے کے اور برسہا برس تک فرضی کیسوں میں ملوث کر کے سلاخوں کے پیچھے دھکیلنے کے وسیع تر اختیارات حاصل ہوں۔ اس فوج کا یہاں رونما ہونے والے واقعات میں بالواسطہ

یا بلا واسطہ ملوث ہونا ایک بدیہی حقیقت ہے۔ کیونکہ اُن کو اس بات کا کوئی اندیشہ ہی نہیں ہوتا ہے کہ ہم سے پوچھ گچھ ہوگی۔ سزا دینے اور عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کی تو بات ہی نہیں ہے۔

شوپیاں کے سانحہ کے بعد 8 اور 9 جولائی کو ڈولی پورہ ترہگام کی آمنہ اختر مسعودی کی عصمت دری اور شہادت جس میں ٹریٹوریل فورسز ملوث ہیں۔ اگر اصلی مجرم اور قاتل کو پکڑا گیا ہے لیکن ٹریٹوریل آرمی کے جو افراد اس کے ساتھ تھے جنہوں نے اس کو لڑکی کی عصمت لوٹنے اور قتل کرنے کے بعد چھڑالیا وہ بھی اس جرم میں مددگار بنے ہیں۔ اُن میں سے کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا ہے۔

نرالا تصورِ آزادی

> بہ حیثیت مسلمان ہمارا تصورِ آزادی ساری اقوام سے نرالا ہے۔ ہم اپنے آپ کو اُس وقت تک آزاد نہیں سمجھ سکتے جب تک ہم اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت واطاعت کے لیے انفرادی اور اجتماعی حیثیت میں غیر الٰہی ضابطہ وقانون سے آزاد نہ ہوجائیں..... چاہئے وہ ضابطہ قانون سمندر پار سے آیا ہو یا اپنے دیس کے لوگوں کا ایجاد کردہ ہو۔
>
> جب تک ہمارے اُوپر غیر اسلامی دستور، غیر اسلامی قانون، غیر اسلامی نظامِ تعلیم، غیر اسلامی سیاست ومعشیت اور غیر اسلامی تہذیب وتمدن مسلط رہے اُس وقت تک ہماری غلامی کی زنجیریں نہیں کٹتیں۔ ہمارے لیے صبحِ آزادی اُس وقت طلوع ہوتی ہے جب ہم اپنی پوری ملّی زندگی کو کتاب وسنت کے سانچے میں ڈھالنے پر قادر ہوجائیں اور اس مدّعا کو حاصل کرنے میں نہ غیروں کی طرف سے کوئی رکاوٹ باقی رہے، نہ اپنوں کی طرف سے کوئی مزاحمت!
>
> یہی تصورِ آزادی تھا جو برعظیم ہند کے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ایک متحدہ

SAIRA ABBASI

قومیت بنانے اور ایک مشترکہ جمہوری ریاست کی بنیاد ڈالنے میں مانع ہوا اور اسی کی وجہ سے ہم مجبور ہو گئے کہ اپنے لیے ایک جداگانہ خطۂ زمین حاصل کریں۔ یہ خطۂ زمین گراں بہا قربانیوں کے عوض میں ہمیں حاصل ہوا، درآں حالیکہ دوسری قربانیوں کے ساتھ ہمیں تقسیم کی مہلک ناانصافیاں بھی گوارا کرنی پڑیں۔ لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ اس خطۂ ارض کی آزادی کی ساری دولت انگریز ایسے جانشینوں کے سپرد کر کے گیا ہے جو اس کو نظامِ اسلامی کی تعمیر پر صرف کرنے میں برابر لیت ولعل کر رہے ہیں۔ کل یہی لوگ تھے کہ اسلامی نظامِ تمدن و سیاست کے نام پر آزادی کی جنگ میں مسلمان عوام کا تعاون حاصل کر رہے تھے لیکن آج یہی لوگ ہیں کہ عوام کی طرف سے اسلامی نظام کے مطالبے پر ان کے چہرے غضب آلود ہو جاتے ہیں۔

(نعیم صدیقی، بحوالہ ترجمان القرآن: اگست 2009ء)

دردمندانہ اپیل:

’’حضرت انس سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے بندہ اُس وقت تک مؤمن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔‘‘

اُدھر نہ دیکھ، اِدھر دیکھ اے جوانِ عزیز
بلند زورِ دروں سے ہوا ہے فوّارہ!

62 سال گذر چکے ہماری مظلوم قوم نے بے پناہ قربانیاں دی ہیں۔ اس غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے۔ مگر ابھی تک ہم اس پنجۂ استبداد سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو پائے ہیں۔ اس میں جہاں استبدادی اور استعماری حربوں کا بہت زیادہ عمل دخل ہے

وہاں کچھ اپنی کمزوریاں بھی ہیں۔ جب تک ہم اپنی کمزوریوں کا علاج نہیں کرینگے اور اُن کو دور کرنے کے لیے جہدِ مسلسل نہیں کرینگے ہم جبر و استبداد کے اس شکنجے سے آزاد نہیں ہوسکیں گے۔ ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم حیات بخش مرکز اور منبع سے دور ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ

’’اے ایمان لانے والو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار پر لبیک کہو جبکہ رسول ﷺ تمہیں اس چیز کی طرف بُلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔‘‘

زندگی بخشنے والے مرکز سے جب ہم دور ہوگئے تو درخت سے گرنے والے پتوں کی طرح ہر تیز ہوا ہم کو اٹھا کر خس و خاشاک میں پھینک دیتی ہے۔ ہر چہار طرف ملّت کا یہی حال ہے۔ اس لیے اولین ضرورت صرف اور صرف یہی ہے کہ ہم قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی طرف رجوع کریں۔

بھارت اپنے تمام ذرائع اور وسائل ہماری قوم، مرد، خواتین اور نئی نسل کو اس مرکزِ ہدایت سے دور پھینکنے کیلئے استعمال میں لا رہا ہے۔ DPS (دھلی پبلک اسکول) سد بھاونا کے نام پر اسکول، شراب، منشیات، مخلوط نظامِ تعلیم، اختلاط مرد و زن، فحاشی کے اڈے، عریانی اور بے راہ روی یہ سب مکر و فنِ خواجگی ہیں تاکہ ہمارا جوان اصل مرکز ہدایت سے دور ہوجائے۔ اس پسِ منظر میں میری دردمندانہ اپیل ہے کہ اگر ہماری مظلوم قوم غلامی کی لعنت سے نجات حاصل کرنے میں یکسو اور عزم صمیم رکھتی ہے تو اُسے ’’زورِ اندرون‘‘ پیدا کرنے کی راہ اختیار کرنا چاہیے وہ صرف اور صرف یہ ہے کہ ایمانیات کو زیادہ سے زیادہ مستحکم اور مضبوط بنایا جائے۔ سیرت اور کردار، اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھال کر اخلاقی برتری حاصل کی جائے اور اپنی مبنی بر صداقت جدوجہد کو انسانی اور اخلاقی اقدار کے بھرپور تحفظ اور پاسداری کے ساتھ جاری و ساری رکھا جائے۔ مایوسی سے مکمل طور پناہ مانگی جائے۔ توکل

علی اللہ کا سہارا لے کر کامیابی و کامرانی کا یقین کامل رکھا جائے۔ جمعۃ الوداع، یومِ قدس اور یومِ کشمیر کے نام پر منایا جائے۔ کیونکہ بھارت جموں و کشمیر کے متنازعہ خطے میں اسرائیلی منصوبے کے مطابق ہی اپنے استعماری منصوبوں کی تکمیل میں لگا ہے۔

وکَانَ حَقُاً علینا نصر المؤمنین

SAiRA ABBASi

عیدالاضحیٰ 2004ء

بسم اللہ الرّحمٰنِ الرّحیم ۝

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؕ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ (سورہ نحل، ۱۲۵تا ۱۲۳)

ترجمہ: ’’واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم اپنی ذات سے ایک پوری اُمت تھا۔ اللہ کا مطیع فرمان اور یک سو، وہ کبھی مشرک نہ تھا۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا تھا۔ اللہ نے اُس کو منتخب کرلیا اور سیدھا راستہ دکھایا۔ دُنیا میں اُس کو بھلائی دی۔ اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہوگا۔ پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ یک سُو ہو کر ابراہیم کے طریقے پر چلو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔‘‘

تفہیم القرآن جلد دوم ص ۵۸۰

آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے؟

اقبالؒ

عید الاضحیٰ کی تمام تقریبات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے منائی جاتی ہیں۔ احرام، حج بیت اللہ، طواف، سعی، منیٰ اور عرفات کا قیام، رمی، طوافِ زیارت، طواف

وداع، قربانی وغیرہ۔ حضرت ابراہیمؑ سلسلہ رسالت کی ایک ممتاز نمایاں مقتدر اور اولوالعزم ہستی ہیں۔ پوری دنیا میں اُن کے ماننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ یہود، عیسائی اور مسلمان تینوں ان کی نبوت پر ایمان اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن پاک میں جگہ جگہ اُن کا تذکرہ کیا ہے اور اُن کی صفات اور سیرت کے خدوخال اُبھارے اور نمایاں کئے ہیں۔ اختصار سے کام لیتے ہوئے میں نے ان صفحات میں سورہ النحل کے آخری رکوع کی ابتدائی آیات کی روشنی میں اُن کی صفات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر ان صفات پر نظر ڈالیں تو ہمارے لیے اُن کی سیرت پاک کا ایسا جامع نقشہ سامنے آتا ہے کہ آج اکیسوی صدی میں بھی ہم بہترین فرد، سماج اور system of life تعمیر کر سکتے ہیں۔ اللہ نے سب سے پہلے اُن کی تعریف میں فرمایا ہے کہ وہ فردِ واحد ہوتے ہوئے ایک اُمت تھے۔ گویا اپنے زمانے میں انہوں نے اللہ کی بندگی کا راستہ اختیار کرنے کے بعد اتنا عظیم اور وسیع کام کیا ہے کہ ایک پوری اُمت ہی ایسا کام کرسکنے کی سکت اور طاقت رکھ سکتی ہے۔ پھر وہ قانت تھے یعنی اُن کے مطیع فرمان اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکامات اور ہدایات کو وہ اپنی زندگی میں ہر قیمت پر عملانے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔ پھر وہ بندہ حنیف تھے۔ یعنی اللہ کی بندگی میں یکسو اور یک رخ۔ یہ یکسوئی اور یک رُخی آج کے معاشرے میں سب سے زیادہ مطلوب شئے ہے۔ مگر دیکھا جائے تو سب سے زیادہ نایاب بھی یہی صفت ہے۔ آج کے انسانی معاشرے میں کوئی انسان یکسو اور حنیف نہیں ہے۔ سب لوگوں کے مختلف چہرے، مختلف خدوخال، مختلف انداز اور مختلف کردار ہیں۔ آج ایک رنگ، صبح دوسرا رنگ۔ آج ایک راستے پر کل دوسرے راستے پر۔ آج ایک مرکز اور منبع کل دوسرا۔ آج ایک ملجا اور ماویٰ کل دوسرا۔ اِس طرح آج کا انسانی معاشرہ زبردست اور ناقابل بیان تضادات کا شکار ہے۔ خاص طور مسلمان معاشرہ جو حضرت ابراہیم کو سب سے زیادہ برگزیدہ اولوالعزم

اور قابل اتباع سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ نبی آخر الزماں ﷺ کو بھی اُن کی اتباع کا حکم دیدیا گیا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم کے بارے میں اللہ جل شانہٗ اعلان فرماتا ہے۔ ولم یک من المشرکین وہ کبھی مشرک نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کے بعد اُس کی ذات، صفات اور اختیارات میں کسی اور کو شریک ٹھیرانا بہت بڑا گناہ اور ظلم ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔ ان الشرك لظلم عظيم شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

> ﴿اِنَّ اللہَ لا یَغفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغفِرُ ما دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً بَعِیْدًا ۝﴾ (اَلنِسآء ، ۱۱۶)
>
> ’’اللہ کے یہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے۔ اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہوسکتا ہے۔ جسے وہ معاف کرنا چاہے۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرایا وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔‘‘

اِسی سورہ نسآء میں فرمایا گیا ہے۔

> ﴿اِنَّ اللہَ لا یَغفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغفِرُ ما دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللہِ فَقَدِ افْتَرٰۤی اِثْمًا عَظِیْمًا ۝﴾
>
> ’’اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا اس کے ماسوا دوسرے جتنے بھی گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کردیتا ہے۔ اللہ کے ساتھ جس نے کسی اور کو شریک ٹھہرایا اُس نے تو بہت ہی بڑا جھوٹ تصنیف کیا۔ اور بڑے سخت گناہ کی بات کی‘‘ تفہیم القرآن اول (ص ۳۰۸، ۳۰۹)

ان آیات میں پھر بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم اللہ کی بخشی اور عطا کی ہوئی نعمتوں کے شکر گذار تھے۔ انسان اگر اللہ کی نعمتوں کو گننے لگے تو اُن کا حساب اور شمار کرنا ناممکن ہے۔

قرآن پاک میں بھی اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے؛

> ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللہِ لا تُحْصُوْھَا ط اِنَّ الاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ

SAIRA ABBASI

کَفَّارٌ ۝﴾

''اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گِنتا چاہو گے نہیں گِن سکتے ہو۔ مگر انسان بڑا ظالم اور ناشکرا ہے۔''

ظالم اس معنیٰ میں کہ سب کچھ اللہ نے دیا ہے۔ مگر وہ مُنعمِ حقیقی کو بھول کر ان نعمتوں کے دینے والوں میں اُس کی مخلوق کا بھی احسان مند بن جاتا ہے۔ کفار، اس معنیٰ میں کہ وہ اِن نعمتوں کا استفادہ تو کرتا ہے مگر ان کے عطا کرنے والے کا شکر ادا نہیں کرتا ہے۔ نعمتوں کے شکر ادا کرنے کا اصلی طریقہ یہ ہے کہ ان نعمتوں کے عطا کرنے والے کی منشا اور مرضی کے مطابق ان کو استعمال میں لایا جائے۔ شکر کرنے کا یہ طریقہ قابل قبول نہیں ہے کہ زبان سے تو اقرار کیا جائے کہ یہ نعمتیں اللہ نے عطا کی ہیں۔ مگر اِن کا استعمال اللہ کی مرضی اور ہدایات کے خلاف کیا جائے۔

حضرت ابراہیمؑ نے حقیقی معنوں میں نعمتوں کا شکر ادا کیا کہ جو کچھ اُن کو عطا ہُوا اُس کو آپؑ نے اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہی صرف کیا۔

اللہ کی بخشی ہوئی بے شمار اور ان گنت نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت راہِ ہدایت ہے۔ اللہ نے اپنے بندوں کو زندگی گذارنے کا اپنا پسندیدہ طریقہ بتا دیا ہے اور یہی اُن پر اللہ کا سب سے بڑا اور عظیم احسان ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے بارے میں فرمایا **اجتبه و هداه الیٰ صراطٍ مستقیم ۝** ہم نے اُن کو منصب رسالت کیلئے چُن لیا اور اُن کو زندگی کے سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہدایت کا راستہ واضح ہو جانے کے بعد گردوپیش کے ماحول کے ساتھ ٹکراؤ اور کشمکش کا راستہ اختیار کرلیا۔ بُت پرستی اور نمرود کی آئینی اور سیاسی بالادستی کو چیلنج کیا۔ کیونکہ نمرود کی حکمرانی کو تسلیم کرتے ہوئے وہ اللہ کی اطاعت کی ذمہ داریاں پوری نہیں کر سکتے تھے۔ اُنہوں نے سخت ترین آزمائش کے

مراحل میں بھی اپنی جان بچانے اور راحت و آسائش حاصل کرنے کے لیے مداہنت اور مصالحت کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ اُن کو اپنے خاندان کے ساتھ اعلان بغاوت کرنا پڑا۔ پھر پوری قوم کے ساتھ اعلانِ بغاوت کرنا پڑا۔ اُن کے لیے آگ کا الاؤ تیار کیا گیا۔ اُنہوں نے خندہ پیشانی اور طمانیتِ قلب کے ساتھ آگ میں کود جانا قبول کر لیا مگر نمرود اور اپنی قوم کے آگے تحفظِ جان کے لیے نرمی اور جھکاؤ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ صراط مستقیم پانے کا یہی تقاضا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُن کو دنیا کی بھلائی بھی اور آخرت کی سرخروئی اور کامیابی بھی عطا کر دی۔ آگ کے الاؤ کو اُن کے لیے گلزار بنا دیا اور قوم کے مظالم سے تنگ آ کر جب اُنہوں نے ہجرت کی تو اللہ جل شانہٗ نے اُن کے لیے ریگ زاروں اور لق و دق صحراؤں میں بھی زمزم کے چشمے رواں کر دئے۔ ومن یتوکل علیٰ اللہ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ جو اللہ پر بھروسہ اور اعتماد کرتا ہے تو اللہ اُس کے لیے کافی ثابت ہو جاتا ہے۔

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستان پیدا

اقبالؒ

ہجرت کے بعد آپؑ نے اللہ سے اولاد صالح کے لیے دُعا کی۔ اللہ نے اُن کی دُعا قبول فرمائی اور اُن کو حضرت اسماعیلؑ جیسا صالح اور فرماں بردار بیٹا عطا کیا۔ نعمتوں کی شکر گزاری کا حقیقی منظر دیکھنا ہو تو حضرت اسماعیلؑ کو منہ کے بل گرا کر اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اُن پر چھری چلانے کے عمل کو دیکھا جانا چاہیے۔ باپ بیٹے کی اس فرماں برداری اور اطاعت شعاری سے رحمت الٰہی جوش میں آ گئی اور بغیر کسی تاخیر اور وقفہ کے نوید سنائی دی۔ قَدْ صَدَّقْتَ رُؤیا۔ ابراہیمؑ تو نے خواب پورا کر دیا۔ خواب میں صرف اتنا ہی دکھایا گیا تھا کہ بیٹے اسماعیلؑ کو آپ اللہ کی راہ میں قربان کرنے کیلئے چت لٹا رہے ہیں۔ اُن کا خون بہاتے

اور فی الواقع اُن کو ذبح ہوتے نہیں دکھایا گیا تھا۔ جتنا کچھ آپؑ نے کیا وہی خواب میں دکھایا گیا تھا۔ اس طرح آپؑ نے خواب پورا کر دیا۔ ہمارا مقصود اسماعیلؑ کی جانی قربانی نہیں تھا۔ بلکہ دونوں باپ بیٹے کی اطاعت شعاری کا امتحان تھا اور اس میں آپ دونوں پورے اُترے۔ اب یہ مینڈھا آپ کے سامنے ہے اس کو ذبح کر دیجئے۔ اور آپؑ کی اس قربانی کو ہم رہتی دنیا تک آپ کی سنت کی حیثیت سے جاری و ساری رکھیں گے۔ ۱۰ سے ۱۳ ذی الحجہ تک پوری اسلامی دنیا میں حلال جانوروں کی جو قربانیاں پیش کی جارہی ہیں وہ اسی سنتِ ابراہیمی کی یادگار ہیں۔ ان قربانیوں کو پیش کرتے وقت اگر اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے پوری زندگی وقف کر دینے اور نمرودی طاقتوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کا جذبہ، عزم اور داعیہ نہ ہو تو قربانی ایک بے روح رسم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسی بے روح رسم اور بے روح عبادت کیلئے اقبال مرحوم نے بجا طور وقت کے مسلمان کو مخاطب بناتے ہوئے فرمایا ہے۔

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں مگر تو باقی نہیں!

حضرت ابراہیمؑ کی ان صفات کو گنانے کے بعد، اُن کو ہدایت اور صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرنے کے بعد جناب رسالت مآب ﷺ کی طرف وحی بھیجی جارہی ہے۔ کہ آپ ﷺ حضرت ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کریں۔

﴿ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ط وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝﴾

ملت ابراہیم کی پیروی، ضمنی طور اور دوسری اطاعت شعاریوں کے ساتھ ساتھ قبول نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ حَنِیْفًا کی شرط لازم ہے۔ یعنی سب بندگیوں اور اطاعت شعاریوں سے کٹ کر صرف اور صرف حضرت ابراہیم کے طریقے کی پیروی اختیار کی جائے۔ اس لیے

کہ وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ یعنی وہ اللہ کی ذات کے ساتھ، صفات، اختیارات اور حقوق میں کسی اور کو شریک نہیں ٹھیراتے ہیں۔ چاہے وہ حکومت ہو، سماج ہو، رسم و رواج ہو، کوئی شخصیت ہو، کوئی بُت ہو اور کوئی بہت بڑی مادی طاقت ہو۔ چنانچہ سورہ انعام میں رسول اللہ ﷺ کی طرف ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ٥﴾

"کہو میری نماز میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔"

سورہ انعام (۱۶۳، ۱۶۴)

عید الاضحیٰ کا یہی پیغام ہے کہ رسول آخر الزمان ﷺ کی وساطت سے حضرت ابراہیمؑ کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے کسی ایسی طاقت کے غلام اور اطاعت شعار نہ ہوں، جو طاقت اللہ کے پسندیدہ دین اور طریق زندگی کے خلاف کوئی اور طریقہ ایجاد کرنے والے اور اُس کی پیروی اور اطاعت کی طرف دعوت دینے اور بلانے والے ہوں۔

اس پسِ منظر کی روشنی میں عید الاضحیٰ ۲۰۰ء کو جب اُمت مرحومہ کی صورتحال پر نظر پڑتی ہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اس اُمت کا انتشار، افتراق، گروہ بندیاں اور آپس میں ہی دست و گریبان ہونا تاریخِ عالم کا بہت بڑا المیہ اور ایک عظیم سانحہ ہے۔ جس اُمت کی وحدت کے لیے ایک ایسا ضابطہ حیات خالقِ کائنات و خالقِ جن و انس کی طرف سے دیا گیا تھا، جو اس کو رنگ، نسل، زبان، وطن، قوم، خاندان، ذات پات اور معاشی اونچ نیچ کے اختلافات کے باوصف وحدت کی ایسی کڑی میں پرو دینا تھا، جو ٹوٹنے والی اور شکست و ریخت سے دو

چار ہونے والی نہیں تھی۔ مگر نوع انسان کی حرماں نصیبی اور اُمت کی زبوں بختی، کہ جس اُمت کو بیمار انسانیت کے لیے مسیحائی کردار انجام دینا تھا وہ آج پوری دنیا میں اور عالمگیر سطح پر سامان عبرت بن چکی ہے۔

اقبالؒ مرحوم نے کیا خوب تصویر کھینچی ہے:۔

SAIRA ABBASI

دریں بُت خانہ دل باکس نہ بستم
ولیکن از مقام خود گستم

زمن امروز می خواہد سجودے
خداوندے کہ دی او را شکستم !

میرا ماضی یہ تھا کہ دنیا کے اس بُت خانے میں میں نے اپنے دل کو کسی کے ساتھ واسطہ نہ کیا مگر میں اپنے منصبی مقام اور مرتبے سے جدا ہو چکا اور کٹ چکا ہوں۔ المیہ یہ ہے کہ مجھ سے آج وہ سجدہ ریز ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جن "خداؤں" کو میں نے کل شکست و ریخت سے دوچار کر دیا تھا مسلمان نے ابراہیمؑ اور رسولِ رحمت ﷺ کے اتباع میں وطنیت، قومیت، لسانیت، لونیت، نمرودیت، فرعونیت، یزیدیت، شہنشاہیت، ملوکیت، لادین جمہوریت، فاشزم، کمیونزم، سیکولرازم، سرمایہ دارانہ نظام، شخص پرستی، آباء پرستی، اوہام پرستی، رواج پرستی، اور رسم پرستی، سب بتوں کو جو جاہلیت کی پیداوار اور اختراع تھے، توڑ پھوڑ کر خاک میں ملا دیا تھا۔ آج یہ سارے بُت مسلمان کو اپنے آگے سرنگوں اور سجدہ ریز ہونے کے لیے تیار پا رہے ہیں اور مسلمان کہیں رضامندی کے ساتھ اور کہیں زور زبردستی سجدہ ریزی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

عیدالاضحیٰ کو لاکھوں مسلمان خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہونگے پوری دنیا میں ایک ارب تیس کروڑ مسلمان ۹ ذی الحجہ کو صبح سے ہی اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الٰہ الّا اللہ و للہ اکبر

اللہ اکبر و للہ الحمد ہر نماز کے بعد تکبیرات کو بہ آواز بلند طواف کرنے والوں کے ساتھ اپنے آپ کو جوڑ رہے ہیں۔ لیکن یہ ملاپ اور جوڑ ایامِ حج تک ہی سمٹ کر رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد مسلمان پھر اپنے اپنے پسندیدہ بتوں کے آگے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں اپنا اصلی مقام اور مرتبہ قلب و ذہن اور فکر و عمل سے غائب ہو جاتا ہے۔ یہی آج کے مسلمان کا اصلی مرض اور عارضہ ہے۔ اسی عارضہ نے اُس کو آج کی غالب قوتوں اور طاقتوں کے لیے تر نوالہ بنا دیا ہے۔ دنیا کی ایک سپر پاور نے 80 کی دہائی میں افغانستان کو تاخت و تاراج کر دیا تھا۔ میں 18 اگست 1985ء میں سرینگر سنٹرل جیل میں ایام اسیری گذار رہا تھا کہ BBC کے نمائندے نے کہا کہ میں افغانستان میں پورے تین گھنٹے پیدل چلا ہوں۔ محتاط اندازے کے مطابق وہ بارہ میل کا سفر کر چکا ہوگا۔ اس پورے بارہ میل کے Area میں اُس کا کہنا ہے کہ میں نے کہیں زندگی کے آثار نہیں پائے۔ مساجد کو بیت الخلاؤں میں بدل دیا گیا تھا اور قرآن پاک کے اوراق سے غلاظت صاف کی گئی تھی۔ اسی عرصے میں افغانستان کے 40 لاکھ مسلمان پاکستان میں اور 20 لاکھ مسلمان ایران میں ہجرت کر کے آ گئے۔ افغانستان کے غیور باشندوں نے آنجہانی سویت یونین کو پورے دس سال کے عرصے میں لوہے کے چنے چبا دئے سویت یونین نہ صرف افغانستان سے پیچھا چھڑانے پر مجبور ہو گیا بلکہ خود اُس کا وجود پارہ پارہ ہو کر رہ گیا۔ اس کے بعد افغانستان کی قیادت نے ملک کو سنبھالنے کے بجائے اقتدار کی کشمکش میں ایسے دلدوز مناظر کی تصویر کشی کی کہ "الامان والحفیظ" یہاں تک کہ طالبان نام کا ایک گروہ مسندِ اقتدار پر براجمان ہو گیا۔ اپنے دور اقتدار میں انہوں نے (کوئی مانے یا نہ مانے) امن قائم کر دیا۔ سب سے بڑی بُرائی افیون کی کاشت کا مکمل طور خاتمہ کر دیا۔ جس کا بدترین دشمنوں کو بھی اعتراف ہے۔ 2001ء میں دوسرے سپر پاور نے اُسامہ بن لادن کو پناہ دینے کی پاداش میں پھر افغانستان کو اپنی طاقت کا نشانہ بنایا۔ طالبان

کی حکومت ختم کر کے اپنی پسند کی حکومت قائم کر کے اپنی بالادستی منوالی۔ آج اسی افغانستان میں ایک طرف امریکہ نواز حکومت ہے دوسری طرف طالبان اور القاعدہ کے نام پر نہتے افغانی عوام کو بمباری کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ کرزائی حکومت اپنے مظلوم اور بے بس عوام کو امریکہ کی بمباری سے نجات دلانے اور جان و مال کا تحفظ فراہم کرنے میں بالکل بے بس دکھائی دیتی ہے۔ امریکہ شادی کی تقریبات میں جمع ہوئے نہتے عوام پر بمباری کر رہا ہے۔ معصوم بچوں اور خواتین کو بے دھڑک نشانہ بنا رہا ہے۔ اور پھر کہہ رہا ہے کہ ہمارے بم غلط نشانے پر پڑے ہیں۔ نہتے انسانوں کی زندگیوں کے ساتھ یہ کھلواڑ دنیا میں بہت بڑی اور مہذب جمہوریت کے علمبردار کر رہے ہیں۔ اقوام متحدہ اور دنیا کے دوسرے ممالک ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی مثال بنے ہوئے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی یاد میں عید الاضحیٰ منانے والوں میں اتنی جرأت، ہمت اور حوصلہ نہیں کہ وہ امریکہ سے کہیں کہ آپ افغانستان سے چلے جائیں اور افغان عوام کو اپنی حکومت منتخب کرنے اور اپنا نظام چلانے کا موقع دیدیں۔ ابھی حال ہی میں لویا جرگہ میں آئین بھی پاس ہوا ہے انتخابات بھی ہونے جارہے ہیں۔ لیکن امریکہ کے عمل دخل اور کنٹرول میں آزادانہ انتخابات کی توقع رکھنا از بس محال ہے۔ نئی حکومت بہر حال امریکہ نواز ہوگی۔ اقتصادی ترقی اور شفاف حکومت کے نام پر امریکہ کی بالادستی برقرار رہے گی۔

پاکستان 1947ء میں متحدہ ہندوستان سے دوقومی نظریہ کی بنیاد پر کٹ کر مسلمانوں کی اکثریت کی بنیاد پر اپنی تہذیب، تمدن، کلچر اور دین و ایمان کے تقاضوں کے مطابق ایک صالح معاشرہ تعمیر کرنے کا دعویٰ لے کر منصۂ شہود پر آ گیا۔ یہ نہ صرف برصغیر ہندو پاک کے تمام مسلمانوں کے لیے ایک تجربہ گاہ اور آماجگاہ کی حیثیت رکھتا تھا بلکہ پوری مسلم دنیا کیلئے ایک زندہ معجزہ کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ لیکن نصف صدی سے زائد عرصہ گذر جانے کے بعد بھی

ابھی تک پاکستان کے مقصد وجود کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو پایا ہے۔ 25 سال کے بعد بھی اسکا مشرقی بازو کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ کیونکہ نظریہ کی بنیاد پر وجود پانے والے ملک میں لسانیت اور وطنیت غالب آ گئی اور پاکستان کی سالمیت دولخت ہو کر رہ گئی۔ اقبال مرحوم نے پہلے ہی کہا تھا۔

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی
اُڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاک رہ گذر!

آج بھی صوبائیت، لسانیت اور معاشی اونچ نیچ کے مسموم اثرات پاکستانی معاشرے میں زہر ہلاہل گھول رہے ہیں۔ مسلک کے نام پر ایک دوسرے کے گلے کاٹنے سے بھی اجتناب نہیں کیا جارہا ہے۔ شعیہ سنی اختلافات سوہانِ روح بن چکے ہیں۔ اقتدار کے منصب پر براجمان لوگ جب تھے یا اب ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ اور نبی آخرالزمان ﷺ کو راہنما اور سرچشمۂ ہدایت ماننے کے بجائے، اُن شخصیتوں اور جدت پسند لیڈروں کی طرف للچائی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ جو سب کچھ تو ہو سکتے ہیں مگر ابراہیمؑ اور اُسوہ حسنہ رسول رحمت ﷺ کے تابع اور فرمان بردار نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس صورتحال میں بجا طور کہا جا سکتا ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است!

اقبالؒ

عیدالاضحیٰ کے مقدس دن پر ارضِ پاک کے دینی بھائیوں سے بصد ادب واحترام عرض کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان کا تحفظ صرف اور صرف اُس کی نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کے ساتھ وابستہ ہے اگر خدانخواستہ اس مملکت خداداد کی نظریاتی سرحدیں کمزور پڑ گئیں۔ تو جغرافیائی سرحدوں کے تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ کیونکہ پاکستان ایسی قوتوں کے گھیرے

میں آچکا ہے جو اس کی نظریاتی بنیادوں کو کمزور بنانے پر تلے ہوئے ہیں اور ایسے حربے استعمال کر رہے ہیں، جن کو sugar coated pills سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ قرآن پاک میں ان چالوں اور ریشہ دوانیوں کی نشاندہی یوں کی گئی ہے۔

﴿وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَاللهِ مَكْرُهُمْ ط وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ٥

(ابراهیم، ۴۵)

''انہوں نے اپنی ساری ہی چالیں چل دیکھیں۔ مگر اُن کی ہر چال کا توڑ اللہ کے پاس تھا۔ اگر چہ اُن کی چالیں ایسی غضب کی تھیں کہ پہاڑ اُن سے ٹل جائیں۔''

ان خطرناک چالوں کا توڑ کرنے میں اللہ غالب و قاہر کی مدد صرف اُسی حال میں حاصل ہوسکتی ہے کہ اللہ اور اللہ کے آخری رسول ﷺ کی بندگی اور اطاعت میں فرد، سماج اور معاشرہ کی تعمیر میں جُٹ جائیں۔ اور اپنے تمام وسائل اور ذرائع کو انہی بنیادوں کو مضبوط بنانے کی طرف مرکوز اور مبذول کریں۔ ہمارا ایک ایک فرد شعور کی بیداری کے ساتھ پورے یقین اور اِذعان کے ساتھ بزبانِ حال اور بزبانِ قال یہ اعلان کرتا رہے۔

زمانہ کہنہ بتاں را ہزار بار آراست
من از حرم نہ گذشتم کہ پختہ بنیاد است

اقبالؒ

ایران میں ہمارے شعیہ بھائیوں کی اکثریت ہے۔ آج کل وہاں قدامت پسند اور اصلاح پسندوں کی رقابت اور کشمکش کی خبریں آرہی ہیں۔ علامہ آیت اللہ روح اللہ خمینیؒ نے ایران کو شہنشائیت کے پنجئہ استبداد سے نجات دلانے میں راہنمایانہ اور مجاہدانہ Role ادا کیا ہے۔ ہماری خواہش، تمنا اور آرزو ہے کہ جناب خمینیؒ کے خاکوں اور منصوبوں میں رنگ

بھرنے والے ہی ایران میں کارفرمائی کے مناصب پر براجمان ہوں۔ اسلام بجائے خود معتدل اور متوسط نظامِ حیات Complete way of life ہے۔ اس میں نہ افراط اور نہ تفریط!

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ
الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ﴾ سورہ (البقرہ، ۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ''ایک اُمتِ وسط'' بنایا ہے۔ تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہو۔''

اُمتِ وسط کو قدامت پسندوں اور اصلاح پسندوں کے خانوں میں بانٹا نہیں جاسکتا، بشرطیکہ افراد اور گروہ یا اُمت اسلامی اصولوں اور تعلیمات کی پیروی میں افراط و تفریط کے شکار نہ ہوجائیں اور وہ زندگی کے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اعتدال پسندی کا رویہ اختیار کریں۔ مسلکی، گروہی، لونی اور لسانی اختلافات کو اپنی جگہ برقرار رکھتے ہوئے اصولوں کی پیروی اور عمل آوری میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور اشتراک کا طریقہ اختیار کریں۔

ایران میں گذشتہ دنوں ایک ہلاکت خیز زلزلہ نے بام شہر کو خاکستر میں بدل دیا۔ 28 ہزار لوگوں کے دفن کیئے جانے کی دلدوز اور الم ناک خبروں نے ملت اور انسانیت کا درد رکھنے والے دلوں کو لرزا دیا ہے۔ عید الاضحیٰ کے مقدس دن پر ہم ایرانی عوام اور حکومت کو اس الم ناک قدرتی حادثہ پر دلی ہمدردی اور تعزیت کا اظہار کرنا دینی اور ملی فریضہ سمجھتے ہیں تمام سوگوار خاندانوں کے ساتھ ہم اظہارِ ہمدردی کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ اللہ رب کائنات اُن کو صبر جمیل عطا کرے اور جملہ شہداء کی مغفرت فرمائے۔

OIC (Organization of Islamic Conference) میں 57

مسلم ممالک شامل ہیں۔ مگر ملت کی بدنصیبی اور حرمان نصیبی ہے کہ یہ اجتماعی ڈھانچہ ملی احساسات اور جذبات کی ترجمانی کا حق ادا کرنے سے اب تک قاصر رہا ہے۔ ورنہ یہ ایک بہت بڑی قوت تھی جس پر پوری ملت انحصار کر کے عالمی معاملات اور سیاست میں اپنا وزن محسوس کروانے میں کامیاب ہو جاتی۔ اس صورتحال کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ 57 مسلم ممالک جو افرادی اور مادی وسائل سے بہرہ ور ہیں۔ مگر ان میں اسلام کے لیے حنفیت نہیں پائی جا رہی ہے۔ یہ تو دنیا کی طاقت ور قوتوں سے خوف زدہ ہیں۔ یا دنیاوی عیش وعشرت کے رسیا بن کر اپنی منصبی اور ملی ذمہ داریاں انجام دینے سے غفلت برت رہے ہیں۔ صادق المصدوق جناب نبی اکرم ﷺ نے پیشنگوئی فرمائی ہے کہ اُمت مرحوم ایک دور میں "وھن" کی شکار ہوگی۔ عرض کیا گیا ماالوھن یا رسول اللہ۔ اللہ کے رسول ﷺ ''وھن'' کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا حُب الدُنیا و کراھیۃ الموت! دنیا کی محبت اور موت سے کراہت اور نفرت۔ اس وھن کے لاحق ہو جانے کے بعد اُمت کا یہ حال ہوگا کہ دنیا کی غالب اور طاقتور قوتیں اُن کو اس طرح نگلنے کے درپے ہوں گی جیسے بھوکے لوگ کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہ پیشنگوئی آج حرف بہ حرف پوری ہو رہی ہے۔ ورنہ اس سے بڑھ کر کیا المیہ ہو سکتا ہے کہ ایک ارب تیس کروڑ مسلمان فلسطین، چچنیا، عراق، بھارت اور بھارتی مقبوضہ جموں و کشمیر میں مسلمانوں کے خون کی ارزانی دیکھ رہے ہوں اور یہ بے بس تماشائی بنے ہوں۔ علامہ خمینیؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اگر دنیا کے سارے مسلمان پانی کی ایک ایک بالٹی لے کر اسرائیل پر حملہ آور ہو جاتے تو اسرائیل سیلاب کی نذر ہو جائے گا۔ مگر مسلمانوں کی غفلت، انتشار فکر وعمل نے اسرائیل کو اتنا طاقت ور بنا دیا ہے کہ اُس کے پاس اس وقت 400 ایٹم بم ہیں۔ جدید قسم کے میزائل اور اسلحہ ہے۔ امریکہ، اسرائیل، بھارت اور روس ایک دوسرے کو ایٹمی ٹیکنالوجی، خلائی اور جدید طرز کی فوجی ٹریننگ اور تربیت میں ایک دوسرے کے ساتھ

اشتراک کر کے پوری دنیا کے لیے بالعموم اور مسلم دنیا کے لیے بالخصوص ایک زبردست اور ناقابل شکست طاقت کی صورت میں اُبھر رہے ہیں اور 57 مسلم ممالک ان خطرات سے لاپرواہو کر حاشیہ برداری، کاسہ لیسی اور بدترین قسم کی ذہنی اور سیاسی غلامی کی ذلت پر قناعت کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔ فلسطین کے نصف صدی سے زائد مسئلہ کا حل انتہائی مجبوری اور بے بسی کے نتیجے میں یہ ہوسکتا ہے کہ اسرائیل 1967ء کی پوزیشن پر واپس جائے۔ 40لاکھ سے زائد فلسطینی مہاجرین کو اپنی سرزمین پر واپس آنے دیا جائے۔ جولان کی پہاڑیوں پر غاصبانہ قبضہ ختم کرے اور طاقت کے بے تحاشا استعمال سے فلسطین اور لبنان کی بستیوں کو زمین بوس کرنے سے باز آجائے۔ خون خرابہ روکا جاسکتا ہے۔ مگر 57 مسلم ممالک یہ سیدھی اور عدل وانصاف کی بات منوانے سے بے بس ہیں۔ اور امریکہ کے رحم وکرم پر فلسطین، شام اور لبنان کے باشندوں کو موت کے سایے میں شب وروز گذارنے کیلئے چھوڑ چکے ہیں۔

عراق پر صدام کی حکومت فی الواقع ایک ڈکٹیٹر اور جابر کے پنجہ استبداد کی بدترین شکل تھی۔ مگر امریکہ کے لیے اس سرزمین پر دھاوا بولنے اور قبضہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی تیاری اور موجودگی محض ایک بے بنیاد اور من گھڑت بہانہ تھا۔ جو 19 مارچ 2003ء سے اب تک پورے عراق پر شب وخون مار کر بھی ثابت نہیں ہوسکا ہے۔ اقوام متحدہ، OIC اور دوسرے عالمی ادارے امریکی استعمار کے آگے بے بس ہو کر رہ گئے ہیں۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ وہ کھل کر اور پوری اخلاقی قوت کے ساتھ امریکہ سے کہہ سکے کہ اپنا جابرانہ اور غاصبانہ قبضہ ختم کردے اور اقوام متحدہ کی نگرانی میں عراق میں انتخابات کروائے جائیں۔ اور وہاں عراقی عوام کی اپنی اور آزادانہ حکومت قائم ہوجائے جو امریکی اور برطانوی بالادستی سے آزاد ہو۔

OIC کا انسانی، اخلاقی اور ملی فریضہ تھا کہ وہ امریکہ کے خلاف پوری جرأت، ہمت اور حوصلہ کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کہدے۔ مگر جہاں ایمان وایقان کی شمع ہی بجھ گئی ہو، آخرت کی جوابدہی اور ابدی زندگی کا تصور ہی مادیت کے ملبے تلے دب چکا ہو۔ وہاں اس قسم کے جرأت مندانہ اقدام کی توقع رکھنا خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کاررواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

بھارت جنوبی ایشیاء میں ایک نئی اُبھرتی قوت ہے۔ ہمیں اس ملک کے سپر پاور بن جانے، اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل میں پانچ مستقل ممبروں میں شامل ہوکر چھٹا مستقل ممبر بن جانا کسی طرح بھی ناگوار اور ناپسند نہیں ہے۔ مگر گذشتہ 55 سال کے تجربات کی روشنی میں بھارت کی پالیسیوں کی بنیاد پر ہم بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ بھارت کے عزائم بھی بڑے خطرناک، توسیع پسندانہ اور سامراجی مزاج کے حامل ہیں۔ ہمیں اس حقیقت سے انکار نہیں اور کوئی دانش مند عقل وشعور رکھتے ہوئے انکار نہیں کرسکتا کہ جمہوریت کا مطلب اور عملی نتیجہ اکثریت کی حکومت ہے۔ اس لیے اگر بھارت میں ہندو اکثریت کی حکومت ہے تو اس سے کسی کو نہ تو دکھ ہونا چاہیے اور نہ ہی اختلاف۔ مگر بھارت اپنی اس ہندو حکومت کو سیکولر حکومت کا نام دیکر پوری دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا پُرفریب عمل دہرا رہا ہے۔ نصف صدی سے طویل عرصے میں بھارت کی حکومت چاہے کانگریس کے ہاتھ میں ہو یا NDA کے ہاتھ میں۔ بھارت کی اقلیتوں کے ساتھ عدل وانصاف تو دور کی بات ہے عام انسانی سلوک بھی روا نہیں رکھا گیا ہے۔ بھارت کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں کی ہے۔ گذشتہ نصف صدی میں 40 ہزار سے زائد مسلم کش فسادات ہوئے ہیں۔ جن میں لاکھوں مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا گیا ہے۔ اُن کی معشیت تباہ وبرباد کردی گئی ہے۔ اُن کو سماجی، معاشی، سیاسی، تعلیمی ہر

لحاظ سے شودروں سے بھی زیادہ پسماندہ اور پچھڑا ہوا بنایا گیا ہے۔ ملازمت میں اُن کا تناسب بمشکل دو تین فیصد ہے جبکہ اُن کی آبادی کم از کم 13% ہے۔ فوج اور نیم فوجی دستوں میں اُن کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ مسلم کش فسادات میں پولیس اور انتظامیہ بلوائیوں کی بھرپور پشت پناہی کر رہی ہے اور مسلمانوں کو اپنا دفاع کرنے کے بنیادی حق سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ گذشتہ 55 سال سے بابری مسجد کا قضیہ لٹکا چلا آ رہا ہے۔ 6 دسمبر 1992ء کو دن دہاڑے ہندوٗ انتہا پسندوں نے اس پانچ سو سالہ پُرانی مسجد کو مسمار کر دیا۔ دہلی میں کانگریس سرکار تھی اور مسجد مسمار کرنے والوں میں وہ لوگ ہراول دستوں کی حیثیت رکھتے ہیں جو آجکل مسندِ اقتدار پر براجمان ہیں۔ مسجد مسمار کرنے والوں پر لاٹھی چارج اور ٹیر گیس تک نہ چلایا گیا۔ لیکن جب مجروح جذبات کے ساتھ مسلمان احتجاج کرنے سڑکوں پر نکلے تو اُن پر بارش کی طرح گولیاں برسائی گئیں اور دو ہزار سے زائد مسلمانوں کو پُرامن احتجاج کرنے کی پاداش میں شہید کر دیا گیا۔ انتخابات کے موقع پر مسلمانوں کو جھوٹے وعدے دیکر ووٹ دینے کے لیے آمادہ کر لیا جاتا ہے لیکن ووٹ حاصل کرنے کے بعد اُن کو اس طرح بُھلا دیا جاتا ہے جیسے وہ اس ملک کے باشندے نہیں ہیں۔ کسی فرد کو صدر مملکت بنا کر، یا کسی کھلاڑی کو کپتان بنا کر دنیا کو کہا جا رہا ہے کہ ہم بڑے وسیع الظرف اور سیکولر لوگ ہیں کہ ہندوؤں کی اکثریت میں ایک مسلمان کو صدر اور کسی کو کھلاڑیوں کا کپتان بنایا جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر فریب اور دھوکہ کیا ہو سکتا ہے کہ بیس کروڑ کی آبادی کو تو دوسرے درجے کا شہری بنانے کے منصوبے عملائے جا رہے ہیں اور دو تین افراد کو بڑے بڑے منصب دیکر ربڑ stamp کی حیثیت دے کر دنیا کو سیکولر واد کا فریب دیا جا رہا ہے۔

قوت اور طاقت جب ایسے افراد اور ایسی قوتوں کے ہاتھوں میں آجاتی ہے جو دینی، اخلاقی اور انسانی اقدار سے عاری اور بے نیاز ہوں۔ تو پوری انسانیت بربریت اور چنگیزیت

کے شکنجے میں کس کے رکھ دی جاتی ہے۔ اُس کو کراہنے اور آہ و زاری کرنے کی بھی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔ اقبال مرحوم نے اس کی یوں تصویر کشی کی ہے۔

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرت انسان کی قبا چاک

تاریخ اُمم کا یہ پیامِ ازلی ہے
صاحب نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک

اس سیل سبک سیر و زمین گیر کے آگے
عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک!

لا دین ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دین کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک!

SAiRA ABBASi

آج کے سیکولر اور لا دین نظامہائے زندگی، ان اشعار کی عملی تصویر پیش کرتے ہیں۔

پوری دنیا میں آج انسانیت چیخ رہی اور کراہ رہی ہے۔ اندھی طاقت کی مالک قوتیں اور حکومتیں انسانی اور اخلاقی قدروں کی پامالی کا ارتکاب اتنی ڈھٹائی، بے شرمی اور بے حیائی کے ساتھ کرتی ہیں کہ انسانیت کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ 2002ء میں بھارت کی ریاست گجرات میں بربریت اور سفاکیت کا ننگا ناچ کھیلا گیا۔ 27 فروری 2002ء کو گجرات کے شہر گودھرا میں فی الواقع ایک الم ناک اور انسانیت سوز واقعہ رونما ہوا جس میں 50 سے زائد لوگ آگ میں بھون ڈالے گئے۔ اس شرمناک اور قابل مذمت واقعہ میں کون لوگ ملوث تھے وہ کسی بھی مذہب اور عقیدہ یا قوم کے ساتھ وابستہ ہوں انسان کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ بلکہ انسانیت کے لیے ایک بدنما داغ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ 28 فروری سے مارچ، اپریل اور اس کے بعد بھی گجرات کی پوری ریاست میں مسلمانوں کے خلاف جو

منظم اور سرکاری سرپرستی میں قتل عام کردیا گیا وہ بھارت کے سکولرازم کی ایسی ننگی اور عُریان تصویر ہے۔ جس کی طرف دیکھا جانا بھی ایک انسان کے لیے ممکن اور گوارا نہیں ہے۔ مسلمان نہ صرف انفرادی طور بلکہ اجتماعی طور گروہوں اور گروپوں کی شکل میں درندگی اور حیوانیت کا نشانہ بنائے گئے۔ ایک سابق ممبر پارلیمنٹ جناب جعفری صاحب کو 19 افرادِ کنبہ اور ہمسائیوں کے ساتھ آگ میں جلا ڈالا گیا۔ جعفری صاحب نے اپنی سیاسی حیثیت کی دُہائی دیکر 200 کے قریب اپنے دوستوں، شناساؤں اور ذمہ دار افسراں کے ساتھ رابطہ قائم کیا مگر وائے افسوس، کوئی ”انسان“ اس مظلوم اور بے بس کی مدد کے لیے نہیں آیا، تا کہ جنونی بلوائیوں کے بے رحم ہاتھوں سے اس کو بچایا جا سکتا تھا۔ اس کی مدد کیلئے کوئی نہیں آیا۔ اس لیے کہ وہ مسلمان تھا اور مسلمان ہونا سیکولرواد میں سب سے بڑا جرم اور گناہ ہے۔ بربریت کے مظاہرے کی بدترین مثالیں جب خواتین کی گودوں سے اُن کے بچے چھین لیے گئے اور اُن کو جلتی آگ میں جھونک دیا گیا۔ حاملہ خواتین کے شکم چاک کئے گئے اور اُن کے بچے کاٹ کاٹ کر آگ کی نذر کردئے گئے۔ بیسٹ بیکری میں 14 افراد اسی طرح آگ میں بھون ڈالے گئے۔ سیکولرواد میں قانون کی عمل داری کا یہ حال ہے کہ 21 افراد کے خلاف FIR درج تھا مگر عدالت میں چونکہ خوف اور دباؤ کی وجہ سے کوئی عینی گواہ بھی شہادت نہ دے سکا۔ عدالت نے اُن کو بری کردیا۔ 14 افراد کو جلانے والے کیا زمین کی کوکھ سے لوگ نکلے یا آسمان کی چھت سے اُترے تھے۔ آخر شہادت نہ ملنے کے اسباب و وجوہ جب ظاہر و باہر تھے، تو عدالت نے قرائن اور واقعات کو پیشِ نظر رکھ کر انصاف کیوں نہ کیا۔ اس لیے جلائے گئے کہ وہ لوگ مسلمان تھے۔ گودھرا میں 200 لوگ ٹرین کے حادثہ میں ملوث POTA میں گرفتار اور مقید ہیں۔ مگر تین ہزار کے قریب مسلمانوں کو قتل کرنے، زندہ جلانے اور سرِ عام دن دھاڑے ذبح کرنے کے الزام میں ایک فرد بھی POTA کے تحت گرفتار نہیں ہے۔

جیسا کہ اخبارات کی اطلاع ہے، یہ ہے قانون کی عملداری کا حال۔

1984ء میں جب آنجہانی اندرا گاندھی کو اُن کے دو سکھ محافظوں نے قتل کر دیا تو پوری سکھ برادری کو اکثریت کے ساتھ تعلق رکھنے والے غنڈوں اور بلوائیوں نے انتہائی بے رحمی اور بے دردی کے ساتھ قتل و غارت گری کا نشانہ بنایا۔ جناب خشونت سنگھ نے ''ہندوستان ٹائمز'' میں لکھے جانے والے کالموں میں لکھا ہے کہ 3500 سکھ خاص دہلی میں اور پورے شمالی ہند میں 10 ہزار سکھ موت کے گھاٹ اُتارے گئے۔ کل ملا کر 13,500 سکھ مارے گئے، جناب خوشونت سنگھ کا کہنا ہے کہ ایک قاتل کو بھی سزا نہیں دی گئی ہے۔ یہ بھارت کے سیکولرازم کی تصویر کا ایک پہلو ہے۔ اُڑیسہ میں ایک عیسائی ڈاکٹر کو اپنے دو بیٹوں سمیت اپنی جیپ میں زندہ جلا دیا گیا۔ گرجاؤں اور عیسائی معبدوں میں حملوں کا طویل سلسلہ بھی بھارتی سماج کی تصویر کا ایک اور پہلو ہے۔ ایک نن کو گرفتار کر کے اغوا کر لیا گیا۔ اُس نے پیاس کی شدت سے بے بس ہو کر پانی مانگا تو اغوائیوں نے اُس کے منہ میں پیشاب پھیر دیا۔ میں نے یہ واقعات خود اخبارات میں پڑھے ہیں سُنی سنائی باتوں پر انحصار اور اعتماد نہیں ہے۔ دلتوں اور نچلی ذات والوں کے ساتھ وسیع و عریض سرزمین بھارت میں کیا ہو رہا ہے۔ اُس کو ضبط تحریر میں لانا ازبس مشکل ہے۔

جموں و کشمیر کے 2/3 حصے پر بھارت کا فوجی قبضہ اُس کے توسیع پسندانہ عزائم کی زندہ مثال ہے۔ مسئلہ کشمیر کی تاریخ نصف صدی سے زائد عمر رکھتی ہے۔ 1947ء میں متحدہ ہندوستان تقسیم کئے جانے کی بنیادوں پر بھارت نے عمل کیا ہوتا تو یہ مسئلہ گذشتہ 56 برس سے ڈیڑھ ارب عوام کے لیے بے پناہ مصائب اور آلام کا موجب نہ بنا ہوتا برطانوی اقتدار کے خلاف جدوجہد کے دوران میں انڈین نیشنل کانگریس کا stand یہ تھا کہ متنازعہ خطوں کے فیصلے حکمران راجے، مہاراجے اور نواب نہیں کریں گے۔ بلکہ عوام ہی اس کا حق رکھتے

تسلیم کرلیا جائے تو پھر دنیا میں وہ کون سا معاہدہ اور میثاق اپنی حیثیت برقرار رکھ سکتا ہے۔ خود آنجہانی ہری سنگھ کے دستاویز الحاق (اگر مان بھی لیا جائے) وقت گذرنے کے ساتھ ہی ختم ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اس پر جو شرطیں رکھی گئیں تھی، عارضی اور مشروط۔ اُن شرائط کو پورا نہیں کیا گیا۔ بھارت کہتا ہے کہ 57ء کی اسمبلی نے عارضی الحاق کی توثیق کردی ہے۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے 24 جنوری 1957ء دوٹوک الفاظ میں اسمبلی کے اس فیصلے کو مسترد کردیا ہے۔

The Security Council

Having heard statements from representatives of the Governments of India and Pakistan concerning the dispute over the state of Jammu and Kashmir.

Reminding the Government and authorities concerned of the principle embodied in its resolutions of 21 April 1948 (S/726), 3 June 1948, March 1950(S/1469) and 30 March 1951(S/2017/Rev, 1), and the United Nations Commission for India and Pakistan resolutions of 13 August 1948 (S/1100,Para 75) and 5 January 1949 (S/1196, Para 15), that the final disposition of the state of Jammu and Kashmir will be made in accordance with the will of the people expressed thorough the democratic method of a free and impartial plebiscite conducted under the auspices of the United Nations.

1. Reaffirms the affirmation in its resolution of 13 March 1951 and declare that the convening of a consonant Assembly as recommended by the General Council of the "All Jammu and Kashmir National Conference" and any action that Assembly may

have taken or might attempt to take to determine the future shape and affiliation of the entire state or any part thereof, or action by the Assembly, would not constitute of disposition of the state in accordance with the above principle.

2. Besides to continue its consideration of the dispute.

(Resolution Adopted by the Security Council, 24 January 1957(S/3779)).

مرحوم شیخ محمد عبداللہ نے بھی نام نہاد اسمبلی کے اس فیصلے کے بارے میں کہا ہے:۔

> ”مجھے اعتراف ہے کہ دستور ساز اسمبلی کو قائم کرنے کا میں ذمہ دار ہوں۔ لیکن اس اسمبلی میں الحاق کا فیصلہ اُس وقت ہوا جب مجھے اور میرے ساتھیوں کو جیل میں ڈالا جا چکا تھا۔ اس فیصلے کو حاصل کرنے کیلئے متعدد ارکان کو رشوتیں دی گئیں۔ نقد روپے کی شکل میں بھی اور پرمٹوں کی صورت میں بھی اور بہت سوں پر تشدد کیا گیا۔ آپ یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ فیصلہ آزادانہ اور منصفانہ طریقہ پر حاصل کیا گیا تھا۔“

قراردادوں کی مضبوط اور مستحکم بنیاد کے بعد 1947ء سے لے کر آج 2004ء تک جموں و کشمیر کے عوام کی غالب اکثریت کی جہدِ مسلسل، جس میں ہماری مظلوم اور بے بس قوم نے عظیم اور بے مثال قربانیاں دی ہیں۔ جو تاریخ کا ایک حصہ بن چکی ہیں۔ اور جن کا تفصیل کے ساتھ دہرانا تحصیل حاصل ہے۔ مگر نصف صدی سے زائد عرصہ گذر جانے کے بعد بھی بھارت متنازعہ مسئلہ کو حل کرنے پر سنجیدگی اور خلوصِ نیت سے آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔ بلکہ صرف طاقت کی بنیاد پر ایک طرف جدوجہد آزادی کو کچلنے میں مصروف ہے اور دوسری طرف عالمی برادری کو چکمہ دیکر کبھی کبھار بات چیت کا ڈھونگ بھی رچا رہا ہے۔ ابھی حال ہی میں سارک کانفرنس میں بھارت نے پاکستان کے ساتھ جامع مذاکرات کی حمایت کی ہے اور اس

میں مسئلہ کشمیر کو بھی زیر بحث لانے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ اس سے پہلے پاکستان کے صدر جناب جنرل پرویز مشرف نے اقوام متحدہ کی قراردادوں کو ایک طرف رکھ کر بات کرنے پر بھی حامی بھر لی ہے۔ حالانکہ 56 سال سے پاکستان کا کشمیر کے بارے میں موقف صرف اور صرف استصواب رائے عامہ رہا ہے۔ جنرل صاحب نے لچک لاکر بھارت کے لیے بھی لچک لانے کی اُمید رکھی تھی۔ مگر بھارت نے اپنی طرف سے کسی لچک کا اعلان نہیں کیا ہے۔ بھارت کے وزیر خارجہ کے بیانات گواہ ہیں۔

> ”اگر کشمیر کے بارے میں پاکستان کے موقف میں تبدیلی آگئی ہے یا اس میں کوئی اصلاح اور ترمیم کی گئی ہے۔ تو بھارت اس کا خیر مقدم کرے گا۔ سخت گیر موقف پاکستان نے اختیار کر رکھا تھا اور وہ مذاکرات میں کشمیر کو مرکزی حیثیت دینے پر اصرار کرتا تھا۔ جب کہ ہم نے ہمیشہ لچک کا مظاہرہ کیا“

جناب یشونت سنہا صاحب کی اس لچک کا کہاں اتہ پتہ اور نام ونشان ہے کچھ کہا نہیں جاسکتا۔

جناب یشونت سنہا کی اس لچک کی ایک اور جھلک کشمیر کے اخبار ”کشمیر امیج“ کو انٹر یو دیتے ہوئے دکھائی دی:

> ”پاکستان کشمیر میں عسکریت پسندی کی حمایت ترک کردے کیونکہ کشمیر میں انسانی حقوق کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہو رہی۔ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ جس سے ہم کسی صورت دست بردار نہیں ہوسکتے“

.. بحوالہ ترجمان القرآن جنوری 2004

جنرل پرویز مشرف صاحب کی طرف سے اقوام متحدہ کی قراردادوں پر زور نہ دینے کے بیان پر ہم نے بھی اس توقع کے ساتھ تائید کی تھی کہ بھارت بھی اٹوٹ انگ کی رٹ ترک

کر کے جموں و کشمیر کی متنازعہ حیثیت تسلیم کر کے اس کے تاریخی پسِ منظر کی روشنی میں حل کرنے کے لیے مثبت رویہ اختیار کریگا۔ اور ہماری تائید کچھ ذاتی اختراع اور اصولی موقف سے انحراف نہیں ہے۔ بلکہ حریت کانفرنس کے آئین میں 1995ء میں لچک لائی گئی ہے اور اس کے پیشِ نظر ہم نے کہا کہ خود ہمارے آئین میں سہ فریقی بات چیت کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اب اگر ان تمام کوششوں کے باوصف بھارت جموں و کشمیر کی متنازعہ حیثیت تسلیم نہ کر کے تینوں متعلقہ فریق کی سطح پر مسئلہ حل کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہا ہے تو اس کا قصور کس کے سر ہے؟ اس کا فیصلہ بہر حال صورتحال پر نظر رکھنے والوں نے ہی کرنا ہے۔ اگر وہ بے لاگ، غیر جانبدار اور اپنے ضمیر کی آواز پر کان دھرنے والے ہوں۔ تو وہ بغیر کسی لاگ لپٹ کے یہ کہنے پر اپنے آپ کو مجبور پائیں گے کہ بھارت 56 سال کا طویل عرصہ گذر جانے کے بعد بھی جموں و کشمیر کے بارے میں حقیقت پسندانہ پالیسی اختیار کرنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ اس متنازعہ خطہ کے عوام کی 47 سے لیکر اب تک لاکھوں جانوں کے نذرانے کو کوئی اہمیت اور وزن دے رہا ہے۔ طاقت کے نشئے میں چور اپنا غاصبانہ قبضہ جاری رکھنے کی سامراجی اور توسیع پسندانہ پالیسی پر گامزن رہنا چاہتا ہے۔ ایسے حالات میں، میں نے بار بار تحریراً بھی اور تقریراً بھی کہا ہے کہ صرف دو صورتیں ہیں ایک بھارت کے فوجی قبضے کو سند جواز عطا کی جائے۔ یا اس جابرانہ اور فوجی تسلط کے خلاف سیاسی سطح پر پُرامن اور منظّم جدوجہد کو جاری و ساری رکھا جائے۔ اس کے لیے یکسوئی **Dedication** اور ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کر کے سرگرم عمل رہا جائے۔ کوئی جھکاؤ نہ دکھایا جائے۔ کوئی تھکاوٹ اور اُکتاہٹ مسلط نہ ہونے دی جائے۔ اور کسی لالچ اور فریب کا شکار نہ ہوا جائے۔ اب جو لوگ اس راستے پر چلنے کا عزم رکھنے والوں کو طعنہ و تشنیع اور تنقیص و استہزاء کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ اُن کا معاملہ ہم اللہ کے سپرد کر رہے ہیں۔ جس کے دربار میں سب کو فرداً فرداً حاضر ہونا ہوگا اور جو دلوں کے حال

سے بھی آگاہ اور باخبر ہے۔ جس کے فیصلے میں کوئی جانبداری نہیں۔ اور نہ ہی کوئی ناانصافی اور زیادتی ہوگی۔ قُل انتظرو اِنا منتظرون ۔ ”کہہ دو اچھا تم انتظار کرو ہم بھی انتظار کریں گے“۔ (الانعام)۔

جواب دہی کے اس دن تک ہر ذی نفس کو دیکھنا اور سامنا کرنا ہوگا۔ ہم اپنے جائز اور مبنی برصداقت موقف پر جمے رہیں گے اور اپنی استطاعت کی حد تک حصول حق خود ارادیت کے لیے اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ یہ دیکھے بغیر کون ہمیں ساتھ دے رہا ہے اور کون ہمیں دشنام طرازی اور بے بنیاد الزامات واتہامات کا نشانہ بنا رہا ہے۔

1972ء میں ہمارے اسمبلی انتخابات میں حصہ لینے پر بھی اُن حضرات کی طرف سے آوازے کسے جا رہے ہیں جن کو یہ تک معلوم نہیں کہ وہ پارٹی سطح پر خود بھی اس میں شریک رہے ہیں۔ اس لیے اُن کے لیے یہ کہنا زیب نہیں دیتا کہ ”لوگ اسمبلیوں میں تھے اور ہم آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے“۔ ہم نے انتخابات میں بھی متنازعہ مسئلہ کو حل کروانے کی آوازیں اُٹھائی ہیں اور جتنا ممکن ہوسکا ہے اس مسئلہ کو اندر بھی اور باہر بھی زندہ رکھنے کی کوشش کو جاری رکھا ہے۔ عیدالاضحیٰ کے اس مقدس دن پر ہم اُن شہداء کو بھول نہیں سکتے جنہوں نے 1947ء سے بالعموم اور گذشتہ پندرہ برسوں کے دوران بالخصوص اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ تاکہ جموں وکشمیر کے عوام کی غالب اکثریت کے لیے اُن کا پیدائشی اور بنیادی حق حاصل کرنے میں اپنا حصہ ادا کرسکیں۔ بھارت کے وزیر خارجہ کا یہ بیان کہ؛

”کشمیر میں انسانی حقوق کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہو رہی ہے“ اُن کی جانکاری کے لیے ”مشتے نمونہ ازخروارے“ کے مصداق کچھ تازہ مثالیں پیش کرنے کی ضرورت پوری کی جائے گی۔

محمد اشرف ملک کپواڑہ کو گذشتہ مہینے کے دوران میں گرفتار کرکے بلاسٹ کرکے اُس

کے جسم کے پرخچے اُڑا دیئے گئے اور اُن کے جسم میں صرف 5 کلو گوشت اُن کے وارثوں کے حوالے کر دیا گیا۔

غلام نبی خان پتو کھاہ مقام جو اپنی بکری کو اپنے کھیت میں چرا رہا تھا۔ بھارتی فورسز نے اُن کو بغیر کسی جواز کے گولیوں سے بھون ڈالا اطہر مخدومی تجر شریف سوپور دو دن کا دولہا تھا۔ اُس کو گرفتار کر کے بلاسٹ کیا گیا اور صرف اُن کی ایک ٹانگ ان کے وارثوں کے حوالہ کر دی گئی۔ جس کا جنازہ ہزاروں لوگوں نے پڑھا۔ پٹن تحصیل میں امام مسجد اور ان کے بیٹے کو بیک وقت نماز پڑھنے کے بعد گھر آتے ہوئے نشانہ بنایا گیا۔ ان دونوں باپ بیٹے کا قصور کیا تھا؟ سوائے اس کے کہ وہ مسلمان تھے اور مسجد شریف سے نماز ادا کرنے کے بعد اپنے گھر کی طرف واپس آ رہے تھے۔

یدی پورہ، حیدر بیگ پل تحصیل پٹن میں بھارتی فورسز کا ایک بہت بڑا کیمپ نصب ہے۔ ایک لڑکا ریاض احمد جو اس کیمپ میں فورسز کے لیے دودھ بھی سپلائی کر رہا تھا۔ اس کیمپ میں فورسز کا ایک پالتو اور سراغرساں کُتا (Dog) تھا جو اچانک غائب ہو گیا۔ بھارتی فورسز نے بستی کے لوگوں کو زورزبردستی سے کُتا تلاش کرنے کے لیے گردنواح میں دوڑایا۔ ریاض احمد جو طالب علم تھا اس کو بھی خاص طور کُتا تلاش کرنے کے لیے بھیجدیا گیا۔ تھک ہار کر جب ریاض واپس آیا اور فورسز سے وابستہ سپاہیوں کو کہا کہ کُتا نہیں مل سکا۔ تو غریب نوجوان ریاض کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ بھارتی حکمرانوں اور خاص طور جناب یشونت سنہا سے انسانیت کے ناطے پوچھا جا سکتا ہے کیا کشمیر کے نوجوان مسلمان آپ کے پالتو کُتے کے گم ہو جانے پر گولیوں کا نشانہ بنایا جانا انسانی حقوق کی بدترین پامالی اور خلاف ورزی نہیں ہے؟ ایسے شرمناک، دردناک اور انسانیت سوز واقعات آئے دن رونما ہونے کے باوجود آپ کو یہ کہنا زیب دیتا ہے کہ ''کشمیر میں انسانی حقوق کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہو رہی ہے''؟

منظور احمد ملک، شوپیان کے ایک معروف اور خوشحال گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ گذشتہ دنوں اپنی دکان کے سامنے کھڑا تھا۔ بونہ گام شوپیاں میں جو جائے وقوع سے بہت دُور ہے کہیں فائرنگ ہوئی تھی۔ منظور کی روح کو بھی معلوم نہیں تھا کہ کہیں فائرنگ ہوئی ہے وہ حسب معمول اپنی دکان پر محو گفتگو تھا کہ ٹاسک فورس کی جیپ آئی اور منظور احمد ملک کو گولیوں سے بُھون ڈالا۔ پورے خاندان، قصبے اور پورے ضلع میں اس معصوم جواں سال کی زندگی آخر کیوں چھینی گئی۔ PDP کی صدر محترمہ محبوبہ مفتی یہاں تشریف آور ہوئیں۔ منظور کی غم زدہ اہلیہ اور ستم رسیدہ بہنوں نے وزیر اعلیٰ کی دختر نیک اختر کو گریبان سے پکڑا اور کہا کہ آپ کے Healing Touch کی خونی تصویر دیکھی گئی۔ اب آپ کے یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے۔ مرہم پٹی کے نام پر آپ یہاں کے معصوم، بے گناہ اور بے خطا لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار رہے ہیں اور اس طرح بھارت کے مسلم کش منصوبوں کو پورا کرنے میں مددگار اور آلہ کار بن رہے ہیں۔

اوشکر ضلع بڈگام کی اُن دو دوشیزاؤں کی عصمت دری کی ناپاک حرکت پر مزاحمت کی پاداش میں دونوں کو شدید طور زخمی بنایا گیا۔ جن کو انتہائی نازک حالت میں صدر ہسپتال میں داخل کر دیا گیا تھا۔ جن کی عیادت کے لیے جب ہم گئے تو دونوں بیٹیوں نے روتے ہوئے کہا کہ بھارتی فورسز نے ہماری عزت اور آبرو پر دست درازی کی ہم نے شور مچایا اور مزاحمت کی جس کے نتیجے میں اُنہوں نے ہمیں بے تحاشا گولیوں کا نشانہ بنایا۔ اُنہوں نے زخمی حالت میں ہم کو یہ بھی بتایا کہ متعلقہ کیمپ کے ایک آفیسر ہمارے پاس آئے اور ہم کو روپیوں کا لالچ دیکر کہا کہ آپ پوچھنے والوں کو بتائیں کہ ہماری عزت لوٹنے کی کوشش کرنے والے عسکریت پسند نوجوان تھے۔ دونوں زخمی لڑکیوں نے جھوٹ بولنے سے بڑی جرأت اور ہمت کے ساتھ انکار کیا۔ مرحبا صد مرحبا۔ آج سے صرف تین روز قبل پانزلہ رفیع آباد تحصیل سوپور میں ایک نوجوان عبدالرشید لون کو علی الصباح جبکہ وہ معصوم نوجوان نماز ادا کرنے مسجد شریف کی طرف

جارہا تھا۔ بھارتی فورسز نے اُن کو اپنے تشدد اور بربریت کا نشانہ بنا کر ابدی نیند سلادیا۔ بھارتی فورسز کی ذہنیت اور سوچ انتہائی فرقہ پرستانہ عصبیت مسلم دُشمنی اور اسلام دشمنی سے مغلوب ہے۔ وہ یہاں ہر فرد کو مجاہد اور ISI کا ایجنٹ سمجھتی ہے اور اُس کو کسی نہ کسی بہانے قتل کرنا، اذیتوں کا نشانہ بنانا، گرفتار کرنا اور تعذیب خانوں میں ناقابل برداشت حد تک جسمانی اذیت سے نڈھال اور جامِ شہادت نوش کروانا، قومی خدمت سمجھتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں بھارتی فوج اور نیم فوجی دستوں پر یہ پابندی لگادی گئی ہے کہ وہ تلک لگانے یا سکھوں کے بغیر داڑھی رکھنے اور خواتین سپاہیوں کو راکھی باندھنا اور بندی لگانا ممنوع قرار دیا گیا اور مقصد یہ ہے کہ ان کی کسی خاص فرقہ سے نسبت اور تعلق واضح نہ ہوجائے۔ کس قدر سطحی اور غیر حقیقت پسندانہ سوچ، فِکر اور طرزِ عمل ہے۔ نہ معلوم بھارت کے زعماء اور کارپردازان بے مقصد اور بے معنیٰ باتوں سے کس کو دھوکہ اور فریب میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ جب تک انسان کی سوچ فکر اور فلسفۂ حیات میں وحدتِ آدم، وحدت الہٰ تصور بندگی اور احساس جوابدہی اُجاگر اور رچایا بسایا نہ جائے اُس وقت تک بندی لگانے، راکھی نہ باندھنے اور داڑھی نہ رکھنے سے انسانی اور اخلاقی قدروں کی پاسداری اور احترام کا جذبہ پیدا نہیں ہوسکتا ہے۔ بھارتی فورسز کا جموں و کشمیر کی غالب اکثریت کو 55 سالہ تجربہ بالعموم اور گذشتہ 15 برس سے خصوصیت کے ساتھ رویہ کا بہت قریبی مطالعہ ہے۔ بلاخوفِ تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ بغیر کسی شُبہ کے ان میں انسانی رشتوں اور انسانی اوصاف اور جذبات کا قابل افسوس حد تک فقدان ہے۔ اس صورت حال کو ان سطحی چیزوں سے بدلا نہیں جاسکتا۔ جب تک نیشنلزم کا نشہ اُتار کر انسانیت کا جذبہ پیدا نہ کیا جائے۔ نیشنلزم کی جب ہم بات کرتے ہیں تو یہاں صرف ہندو نیشنلزم مُراد نہیں ہے بلکہ سارے نیشنلزم چاہے مسلمانوں کا ہو، عیسائیوں کا ہو یا یہودیوں کا یہ سارے نیشنلزم پوری انسانی برادری کو تقسیم کرنے کے اسباب ہیں۔ ان

ازموں سے حق وصداقت اور عدل وانصاف کا بڑی بے رحمی کے ساتھ خون ہو جاتا ہے۔

جب ہم کہتے ہیں کہ

My Nation Right or Wrong

My Country Right or Wrong

SAIRA ABBASI

My Leader Right or Wrong

یہ اس قسم کے سب نعرے حق وصداقت، عدل وانصاف اور اخلاقی قدروں کے منافی ثابت ہو چکے ہیں اور آئندہ بھی ہونگے۔

ہم بات کر رہے تھے شالہ کوٹ رفیع آباد کے عبدلرشید لون کی جن کو بڑی بے رحمی کے ساتھ نماز فجر ادا کرنے کے لیے مسجد کی طرف جاتے ہوئے شہید کر دیا گیا، اُس کی ران میں گولی لگی تھی۔ اُس نے چیخ کر اور چلا کر اپنے ماں باپ کو پکارا تھا۔ مگر کسی کو اُن کے نزدیک نہیں آنے دیا گیا اگر ان کو بروقت ہسپتال پہنچا دیا گیا ہوتا تو شاید اُن کی جان بچ جاتی۔ ایسے انسانیت سوز واقعات دہرائے جانے کے بعد بھی بھارت کے وزیر خارجہ نے کہا کہ جموں کشمیر میں انسانی حقوق کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہو رہی ہے۔ کتنا مضحکہ خیز اور بے بنیاد ہے۔

کچھ روز قبل حزب المجاہدین سے وابستہ تین صف اول کے مجاہدین ریاض رسول، فیاض احمد ڈار، اور عباس راہی ڈوڈہ کو گرفتار کرنے کے بعد زیر حراست شہید کرایا گیا ہے۔ ان کے جنازے اور تدفین کے موقع پر ہزاروں لوگوں نے شدید بارش اور برفباری کے باوجود شرکت کی اور جدوجہد آزادی کے ساتھ اپنی وابستگی کا کھل کر مظاہرہ کیا۔ رسم قل میں ہزاروں لوگوں نے جن میں مرد، خواتین اور اسکول اور کالج طلبا نے شرکت کی۔ سرفروش مجاہدوں کی شہادت مطلوب ہے، کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ لیکن ان کو نہتے حال میں گرفتار کر کے فرضی جھڑپوں کا بہانہ بنا کر ان کو شہادت کے مرتبے تک پہنچانا، انسانی حقوق کی بدترین قسم کی پامالی

ہے جس کی ہر سطح پر مذمت کی جانی چاہیے۔

عیدالاضحیٰ کے اس عالمی اجتماع کے دن پر ہم پوری انسانی برادری کی بالعموم اور اُمت مسلمہ کی بالخصوص توجہ مبذول کرنا چاہتے ہیں۔ کہ وہ مظلوم اور بے بس کشمیری عوام کی صورت حال کا جائزہ لیں اور انسانی اور منصبی ذمہ داریاں انجام دیں۔

عیدالاضحیٰ کے اس پیغام اور دردمندانہ گذارشات پیش کرنے کے ساتھ ہی ہم حُریت کانفرنس کے نام پر چند لیڈر حضرات کی ۲۲ جنوری کو بھارت کے نائب وزیر اعظم جناب ایل کے ایڈوانی کے ساتھ ڈھائی گھنٹے کی بات چیت اور پھر ۲۳ جنوری کو بھارت کے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کے ساتھ ۴۵ منٹ کی ملاقات کے بارے میں اپنا نقطہ نگاہ اور کل جماعتی حریت کانفرنس کا عندیہ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

حریت کانفرنس کی پندرہ اکائیوں نے ۷ ستمبر ۲۰۰۳ء کو مولانا عباس انصاری صاحب حُریت کے پورے تین برس کے عرصے میں ۲۰۰۲ء کے انتخابات میں غیر سنجیدگی و بے عملی اور دو فریقی سطح پر بات چیت کی پالیسی بیان کی بنیاد پر عدم اعتماد کا ووٹ اتفاق رائے کے ساتھ پاس کیا اور ایک عارضی کمیٹی تشکیل دے دی جس کے کنوینیر جناب مسرت عالم صاحب کو مقرر کیا جو حال ہی میں ۳۴ ماہ کی نظر بندی کے بعد رہا کر دئے گئے تھے اس کے بعد ۱۵ ستمبر حریت کانفرنس کی میٹنگ مسلم لیگ کے دفتر پر جناب مسرت عالم کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں اتفاق رائے کے ساتھ طے پایا گیا کہ سید علی گیلانی کو کُل جماعتی حُریت کانفرنس کی قیادت قبول کرنے کی درخواست کی جائے۔ مجھے اس روز اپنی رہائش گاہ پر نظر بند رکھا گیا تھا۔ چنانچہ یہ سب اکائیاں پریس نمائندوں کو ساتھ لیکر حیدر پورہ تشریف لائے۔ تفصیلات آپ "وادی کی آواز" ۱۶ ستمبر کی رپوٹنگ میں ملاحظہ فرمایئے۔

گیلانی صاحب حریت کانفرنس کے چیرمین منتخب

مسئلہ کشمیر سہ فریقی مذاکرات کے ذریعے حل کیا جاناچاہیے تھا

حریت کے انتظامی معاملات کے حوالے آئین میں ترمیم ہوگی

''**سرینگر**،، بزرگ رہنما سید علی شاہ گیلانی کو اتفاق رائے سے حریت کانفرنس کا چیرمین منتخب کرلیا گیا۔ یہ اعلان سوموار کو حریت کی اکائی مسلم لیگ کے لیڈر مسرت عالم بٹ، نے ایک پریس کانفرنس کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ کے دفتر پر حریت اکائیوں کی ایک نشست ہوئی جس میں کلی اتفاق رائے سے طے پایا گیا کہ بزرگ رہنما سید علی شاہ گیلانی کو ہی چیرمین کا عہدہ سنبھالنے کی گزارش کی جائے۔ یہ اعلان کرتے ہوئے مسرت عالم خود حریت کی جانب سے قائم کی گئی اس عبوری کمیٹی کے چیرمین کے عہدے سے مستعفی ہوئے جسے دیگر حریت اکائیوں کو اعتماد میں لینے اور قائل کرنے کیلئے کیا گیا تھا۔ اس موقعے پر سید علی گیلانی نے صحافیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ انہیں کبھی منصبوں اور عہدوں کی خواہش نہیں رہی ہے لیکن بھارت کے خلاف جاری جدوجہد آزادی کے ساتھ ان کی ذہنی اور قلبی وابستگی ہے اور اس جدوجہد کے حوالے سے وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک کام کریں گے اور اپنی ذمہ داریوں کو بھرپور طریقے سے انجام دینے کی کوشش کریں گے۔ سید علی شاہ گیلانی نے کہا کہ ۷ ستمبر کا حریت کے متعلق فیصلہ جدوجہد آزادی کے ساتھ ایک خلوص تھا۔ اس فیصلے میں حریت کانفرنس میں شامل اکائیوں نے محسوس کیا کہ حریت کانفرنس کی قیادت اطمینان بخش طریقے سے اپنے فرائض انجام نہیں دے رہی ہے۔ سید علی شاہ گیلانی نے حریت کانفرنس کے عہدیداروں کو آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے کہا کہ ان لیڈران نے اپنا قیمتی وقت

SAiRA ABBASi

رام جیٹھ ملانی کے ساتھ ملاقاتوں میں صرف کیا۔ جبکہ اس مظلوم قوم کے ساتھ ووٹنگ میں شرکت نہ کرنے پر کوئی پروگرام تشکیل نہیں دیا گیا۔ اس طرح سے ۲۰۰۲ء کے الیکشن میں حریت لیڈران نے ہندوستانی حکومت کے سیاسی مقاصد انجام دئے اور لوگوں نے اسلئے ووٹ ڈالے کیونکہ حریت کانفرنس کی اکائیوں نے ووٹنگ میں شرکت کا فیصلہ لیا تھا۔ مسٹر گیلانی نے کہا کہ مولوی عباس انصاری کے خلاف عدمِ اعتماد کا ووٹ پاس کیا گیا اور اس کے بعد عبوری کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ انہوں نے کہا کہ عبوری کمیٹی نے حریت کانفرنس کی دیگر اکائیوں سے رابطہ قائم کیا اور اس دوران مجھے بھی حریت قیادت سنبھالنے کیلئے مشورہ دیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ میں ذہنی اور عملی طور چیرمین کے حیثیت سے اپنے فرائض انجام دینے کیلئے تیار ہوں اور اس لیے اس ذمہ داری اور منصب کو قبول کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ چیرمین کی جو ذمہ داریاں ہوتی ہیں اُن پر پوری طرح سے اُتر سکوں۔ انہوں نے کہا کہ ایک لاکھ شہداء اور انکے پانچ سو قبرستانوں اور دیگر قربانیوں کا لحاظ رکھوں گا اور زندگی کے آخری سانس تک جدوجہد آزادی کیلئے کام کرتا رہوں گا۔ انہوں نے اس موقع پر بتایا کہ مجھے صبح ۷ بجے سے ہی اپنے رہائشی مکان میں ریاستی پولیس نے نظر بند رکھا۔ اسطرح سے حکومت ہند کے عزائم واضح ہوتے ہیں۔ جبکہ اس سے قبل دس بار مجھے ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان کی حکومت میری کردار کُشی کرنے کی پالیسی پر گامزن ہے۔ انہوں نے کہا کہ کل عبوری کمیٹی کے سربراہ مسرت عالم بٹ کے گھر پر بھی چھاپہ ڈالا گیا۔ انہوں نے صحافیوں کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ ہم حریت کانفرنس کے آئین میں ترمیم کرینگے۔ انہوں نے کہا کہ حریت کانفرنس کے مولوی عباس

SAiRA ABBASi

SAiRA ABBASi

> انصاری کو عدم اعتماد کرنے سے ہم نے قوم کو انتشار سے بچانے اور تحریک کو محفوظ رکھنے کیلئے اس تحریک کو آگے بڑھانے کیلئے یہ اقدامات اٹھائے۔ انہوں نے کہا کہ دیگر عہدیداروں کا انتخاب بھی آئین میں ترمیم کے بعد عمل میں لایا جائے گا۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ سابق حریت کانفرنس کو کام کرنے کا اچھا وقت دیا گیا تھا لیکن وہ اپنے فرائض انجام دینے میں ناکام رہے۔ انہوں نے صحافیوں کو بتایا کہ وہ سہ فریقی بات چیت کے حق میں ہیں۔ تاہم یہ بات چیت اقوام متحدہ کی قرادادوں کے مطابق ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم بات چیت کے خلاف نہیں ہیں لیکن اس سے قبل کئی بار بات چیت ہوئی لیکن مسئلہ کشمیر کے حل کے سلسلے میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔‘‘

اس تطہیری عمل کے بعد بھی ہم نے رابطہ قائم رکھا لیکن آج عیدالاضحیٰ ۲۰۰۴ء تک ان اکائیوں میں سے کسی نے بھی حق وصداقت کو معیار بنا کر اپنی شرکت اور عدم شرکت کا فیصلہ نہیں کیا ہے۔ جماعت اسلامی جموں کشمیر کی مجلس شورای کا اجلاس چار روز تک جاری رہا مگر پھر وہی ڈاک کے تین پات فیصلہ کے معیار جب بدل جاتے ہیں تو بے یقینی اور تذبذب کی کیفیت سوار ہو جاتی ہے اور جو فیصلے لمحوں اور ساعتوں میں کئے جانے چاہیے تھے وہ پورے پانچ ماہ گزر جانے کے بعد بھی نہیں ہو پاتے ہیں۔ عباس صاحب کے ساتھ عدم شرکت کا اعلان تو ہو جاتا ہے مگر مثبت انداز کا اقدام ابھی "زیرِ غور" ہے۔ جہاں انقلاب لحظوں میں آجاتے ہیں وہاں ایک جماعت زندہ نصب العین کے تقاضوں کو "مصلحتوں" اور "حکمتوں" کی نذر کر کے اس خوش فہمی کا شکار ہے۔ کہ ہم "سرگرم عمل" ہیں۔

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

اس تفصیل کے بیان کا مقصد ہے کہ حریت کانفرنس کے نام پر جو حضرات دہلی دربار میں جبہ سائی کے لیے تشریف لے جاتے ہیں اُن کو حُریت کانفرس کا نام ہائی جیک کرنے کا کوئی آئینی اور اخلاقی جواز نہیں ہے۔ دہلی دربار میں جناب ایڈوانی کے ساتھ گفتگو میں ہم انکار نہیں کرسکتے کہ ان حضرات نے اپنی بات کہی ہوگی لیکن طے جو کچھ پایا ہے کہ درہر حال بھارت کا peace process مسئلہ کشمیر حل کئے بغیر بھارت کا ہی ایجنڈا ہے۔ سرکاری دہشت گردی اور جدوجہد آزادی کو بریکٹ کرنا بھی بھارت کا ایجنڈا ہے۔ جناب ایڈوانی صاحب کی نرم گفتاری سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ اپنے غیر حقیقت پسندانہ رویے اور پالیسی میں تبدیلی لاچکے ہیں محض ایک خوش فہمی ہے۔ بھارتی حکومت نے ۱۹۹۵ء میں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں جموں وکشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ قرار دیا ہے۔ اس کو Revoke کئے بغیر مسلئہ کشمیر کے حل کی راہ کیسے ہموار ہوسکتی ہے؟۔ ہمارے لیڈر حضرات یا تو ان شعبدہ بازیوں سے آگاہ نہیں ہیں۔ یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہے۔ اور اس کے پیچھے درپردہ مقاصد ہی کارفرما ہوسکتے ہیں۔ وسیع تر اتحاد کی باتوں میں اس امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا NC اور دوسری ہند نواز پارٹیوں، گروپوں، اور افراد کو یکجا کرکے بالآخر اندرونی خودمختاری پر قناعت کی راہ اختیار کی جاسکتی ہے۔ ان لیڈر حضرات سے بہ صد ادب پوچھا جاسکتا ہے کہ اگر بھارت اور پاکستان نے فروری ۲۰۰۴ء میں بات چیت کا آغاز کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ تو آپ لوگوں کے لیے کونسی مجبوری پیدا ہوگئی تھی۔ کہ آپ اس مرحلے سے پہلے ہی کشکول لے کر دہلی دربار کے دروازے پر دستک دیں۔ کیا آپ نے بھارتی قیادت کو یہ موقع فراہم نہیں کیا کہ کشمیر ہمارا اندرونی مسئلہ ہے اور ہم اپنے لوگوں سے اس بارے میں بات کررہے ہیں۔ اُن کے گلے شکوے دور کئے جائیں گے۔ پاکستان کو مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

کشمیر کمیٹی نے اب رام جیٹھ ملانی کی سربراہی میں ۲۰۰۲؁ کے اسمبلی انتخابات سے ہی اس قیادت کو Main Stream میں لانے کے تانے بانے بُننا شروع کر دئے تھے۔ آج وہ اپنی مہم میں کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ اب ایڈوانی سے ملاقات سے پہلے دہلی میں کشمیر کمیٹی کے درمیانہ داروں سے ہی تفصیلی بات چیت ہو رہی ہے۔ کیا یہ بھارت کا ایجنڈا نہیں ہے؟ آج ۲۵ جنوری ۲۰۰۴ کو جناب مولانا عباس انصاری صاحب نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ حُریت کے آئین کی حصول حق خودارادیت کی جدوجہد کی پہلی دفعہ سے دست بردار ہونے کے لیے تیار ہے۔ بی بی سی اور آل انڈیا ریڈیو نے اُن کے اس بیان کو نشر کر دیا ہے۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم وسیع تر اتحاد قائم کریں گے تا کہ جموں کشمیر کے متنازعہ مسئلہ کا کوئی ایسا حل تلاش کریں جو سب کے لیے قابل قبول ہو۔ اس طرح اُنہوں نے سہ فریقی بات چیت کی شق کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر ہماری مظلوم قوم جنہوں نے حصول حق خودارادیت کے لیے عظیم اور بے مثال قربانیاں دی ہیں۔ ان "سیاسی اخوانیوں" کی پذیرائی کرے گی۔ تو اس قوم کو استبدادی اور استعماری قوتوں کی طوقِ غلامی سے کون آزاد کر سکتا ہے؟

وسیع تر اتحاد کا مطلب یہی ہے کہ تمام ہند نواز پارٹیوں کو بھی ساتھ لایا جائے اور بھارت کے خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے بھارت کے آئین کے زیر سایہ کچھ مراعات حاصل کر کے عظیم اور بے مثال قربانیوں کا سودا کیا جائے۔ اور شہدا کی قبروں پر اقتدار کے محل تعمیر کر لیے جائے۔

ہم نے پہلے بھی کہا ہے اور اب بھی عیدالاضحیٰ کے اس مقدس اور ایثار و قربانی کے دن پر اس عہد کو پھر ایک بار دہرائیں گے۔ کہ اللہ کی مدد، تائید اور توفیق کے سہارے ہم حصول حق خودارادیت کی ۵۵ سالہ جدوجہد کو ہر قیمت پر جاری وساری رکھیں گیں اور ۴۷ سے لیکر آج

۲۰۰۴ء تک دی گئی پانچ لاکھ سے زائد جانوں کی قربانیوں کا مشن اور مقصد حاصل کرنے میں، اللہ کی رضا، آخرت کی فلاح کے مقصد کے خاطر سب کچھ تج دینے کا عہد دہراتے ہیں اللہ مقلب القلوب سے انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا گو بھی رہیں گے کہ وہ سارے مظلوم، محکوم اور بے بس قوم کو حق وصداقت کا ذہنی اور عملی طور ساتھ دینے اور تعاون کرنے کی توفیق عطا کرے۔

عیدالاضحیٰ کے اس مقدس دن پر ہم اپنے نظر بند بھائیوں، بیٹوں اور بیٹیوں کو سلام عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے جو بھارت کی مختلف جیلوں اور جموں کشمیر کی قریب قریب سب جیلوں میں برس ہا برس سے صبر واستقامت اور عزم واستقلال کا مظاہرہ کر رہے ہیں اللہ سب کو صحت وسلامت اور رشد وہدایت سے سرفراز فرمائے اور حصول مقصد کی جدوجہد میں کامیاب وکامران فرمائے میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم اُن کی تکالیف اور مشکلات کا بھرپور احساس رکھتے ہیں۔ اور حتی الامکان اُن کو کم کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہے۔

عیدالاضحیٰ کی تقریب سعید پر اپنی مظلوم اور بدترین محکومیت کی زد میں گزشتہ ۵۶ سالہ ابتلا وآزمائش میں شب وروز گزرتے ہوئے انتہائی دردمندی جذبۂ اخوت کے بھرپور احساس کے ساتھ اپیل کروں گا کہ عیدالاضحیٰ کی تقریب انتہائی سادگی اور پروقار طریقے پر منائیں۔ قربانی کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اس احساس کو پیدا کریں کہ جانور کی قربانی محض ایک علامت ہے۔ اصل قربانی ذہناً اور عملاً باطل قوتوں سے کٹ کر اللہ کی بندگی کا راستہ اختیار کرنا ہے۔ عید کی خوشیوں میں اپنے ان ہمسائیوں کو نہ بھولیں جن کو گزشتہ پندرہ برسوں کے عرصے میں خصوصیت کے ساتھ زندگی کی مسرتوں سے اندھی طاقت نے محروم کردیا ہے۔ بیواؤں، یتیموں، بے گھروں اور بے سہارا کنبوں کو سہارا دینے کا فریضہ انجام دینے کے

لیے سرگرم عمل ہو جائیں۔ بستی بستی اور قریہ قریہ بیت المال قائم کر کے سماج اور معاشرہ کے پسماندہ اور پچھڑے ہوئے اجزائے ملت کے لیے مستقل طور ظاہری سہارا بن جانے کی ذمہ داری پوری کریں۔

مایوسیوں، ناامیدیوں اور مرعوبیت کے دلدل سے نکل کر اللہ غالب و قاہر کی ابدی اور لازوال طاقت پر مکمل بھروسہ اور اعتماد کرتے ہوئے اسلامی اور اخلاقی اقدار کی بھرپور حفاظت اور پاسداری کرتے ہوئے پرامن اور منظّم جدوجہد کے ذریعہ اجتماعی قوت کا مظاہرہ کرتے رہیں۔ صبح آزادی، غلبہ اسلام اور اتحاد ملّت کا تابناک مستقبل ہمارا مقدر ہے۔ انشااللہ تعالے!

سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذت نمود میں ہے

SAIRA ABBASI

عیدالاضحیٰ 2008 اور حالات حاضرہ

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الّا اللہ!

اقبالؒ

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ ط اِنَّهٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ہ اِذْقَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَالَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا ہ (مریم : ۴۱، ۴۲)

ترجمہ: ”اور اس کتاب میں ابراہیمؑ کا قصہ بیان کرو۔ بے شک وہ ایک راست باز انسان اور ایک نبی تھا۔ (انہیں ذرا اُس موقع کی یاد دلاؤ) جبکہ اُس نے اپنے باپ سے کہا کہ ”ابا جان، آپ کیوں اُن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں؟“

سورہ مریم کی ان آیات میں حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ اس نسبت اور پس منظر میں کیا جا رہا ہے کہ مکّہ میں نبی آخروالزماں ﷺ کی بعثت کے بعد قریش نے جو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور اس خاندانی نسبت پر فخر و ناز کا بھی مظاہرہ کرتے تھے۔ مگر ابراہیمی دعوت کی طرف بلانے والوں کے ساتھ نہایت ہی ظالمانہ اور سفاکانہ برتاؤ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اسلامی دعوت قبول کرنے والوں کو رسول اللہ ﷺ نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی ترغیب دیدی۔ یہ ہجرت ایک ایسے ملک اور خطہ کی طرف تھی جہاں کا بادشاہ نجاشی عیسائی تھا۔ وہاں جا کر حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں اسلام کے ماننے والوں کے

عقیدے کا لازماً تذکرہ آتا تھا۔ یہ مکہ کے مسلمانوں کی پہلی ہجرت تھی۔ اس ہجرت نے قریشِ مکہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ کیونکہ اس میں قریش کے سرداروں کے اپنے قریبی رشتہ دار اور جگر گوشے بھی تھے۔ مردوں اور خواتین میں اُن کے اعزّا اور اقارب بھی تھے۔ یہ دین اسلام کی طرف آنے والوں کے لیے بھی بہت بڑا امتحان تھا کہ وہ دوسرے ملک میں جا کر اپنے دین کی حقانیت اور صداقت کا برملا اعلان کریں گے یا پناہ اور جان بچاؤ کی خاطر مداہنت کا طریقہ اختیار کریں گے۔ مسلمانوں کی ہجرت کے بعد سردارانِ قریش نے باہمی مشاورت کر کے عبداللہ بن ابی ربیعہ (ابوجہل کے ماں جائی بھائی) اور عمرو بن عاص کو قیمتی تحائف کے ساتھ حبشہ روانہ کر دیا تا کہ نجاشی سے مل کر ان مہاجرین کو واپس مکہ بھیجا جائے۔ ان دونوں سفیروں نے نجاشی کے درباریوں سے ملاقات کی اور اُن کو آمادہ کیا کہ وہ نجاشی پر دباؤ ڈالیں کہ وہ مکہ سے ہجرت کرنے والوں کو ہمارے حوالہ کر دیں۔ اُن کو تحفے تحائف بھی دیئے گئے۔ خود نجاشی کو بھی ان سفراء نے نذرانے دیئے۔ چنانچہ نجاشی کو دباؤ میں لا کر انہوں نے اُس سے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو تمام درباریوں نے ان کے مطالبے کی تائید کی مگر نجاشی ایک عادل اور منصف مزاج بادشاہ تھا۔ انہوں نے کھلے دربار میں اعلان کیا کہ بعض لوگوں کے کہنے پر ہم اُن کو واپس نہیں بھیجیں گے۔ انہوں نے ہم پر بھروسہ اور اعتماد کر کے ہمارے ملک میں پناہ لی ہے۔ ہم اُن کا سُنے بغیر اُن کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے مہاجرین کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ مہاجرین نے بھی اپنی مجلس میں مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ اتفاق رائے کے ساتھ طے پایا کہ کچھ بھی ہو ہم وہی کچھ کہیں گے جو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو تعلیم دی ہے، سکھایا ہے اور جو قرآن ہم کو بتا رہا ہے۔ چنانچہ حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ کو اپنا متکلم بنا کر جب مہاجرین نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے تو اُن سے کہا کہ آپ لوگوں نے اپنا دین ترک کر کے نہ تو ہمارا دین عیسائیت اور نہ ہی کوئی دوسرا معروف دین قبول

کیا ہے۔ آپ اپنے دین کے بارے میں ہمیں بتائیں۔ حضرت جعفرؓ نے اُن کو اسلام کی بنیادی باتیں بتائیں اور رسول ﷺ کی تعلیمات کے بارے میں آگاہی بخشی۔ جب نجاشی نے اُن سے کہا کہ جو کتاب آپ کے نبی ﷺ پر اتری ہے اس کا کچھ حصہ سناؤ تو حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی تلاوت کی۔ نجاشی غور سے سنتا رہا اس کی آنکھوں سے اشکوں کی دھار رواں ہوگئی۔ یہاں تک کہ اس کی داڑھی تر ہوگئی۔ اُنہوں نے مہاجرین کو دلاسا دیکر کہا کہ آپ اطمینان کے ساتھ ہمارے ملک میں رہیں گے۔ ہم آپ کو قریش کے حوالہ نہیں کریں گے۔ عمرو بن عاص نے نجاشی سے دوسری بات یہ کہہ دی کہ آپ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں اُن سے دریافت کریں۔ چنانچہ نجاشی نے مہاجرین کو پھر بلاوا بھیجا اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں اُن سے پوچھا۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے کہا:

> **ھو عبداللہ و رسولہٖ وروحہٗ وَحکمته القاھا اِلیٰ مریم العذراء البتول**
>
> ”وہ اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں اور اُس کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں۔ جسے اللہ نے کنواری مریم پر القا کیا“۔
>
> نجاشی نے سن کر زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا ”خدا کی قسم، جو کچھ تم نے کہا ہے عیسیٰؑ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے۔“ اس کے بعد نجاشی نے قریش کے بھیجے ہوئے تمام ہدیے یہ کہہ کر واپس کر دئے کہ میں رشوت نہیں لیتا اور مہاجرین سے کہا کہ تم بالکل اطمینان کے ساتھ رہو۔
>
> بحوالہ تفہیم القرآن جلد ۳ صفحہ ۵۵

SAIRA ABBASI

اس پس منظر میں دیکھئے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں اللہ کا یہ فرمان کتنا سبق آموز اور بہترین اسوہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝

’’وہ ایک راست باز انسان اور اللہ کے نبی تھے۔‘‘

جو لوگ ابراہیمؑ کے ماننے والے اور اُن کے اسوہ کو اپنے لیے ایک بہترین نمونہ قرار دیتے ہوئے اس کی اطاعت اور پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اُن کو کس طرح ہر حال میں راست بازی اور صداقت شعاری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ حالات کتنے نامساعد اور ناموافق ہوں مگر سچائی اور راست بازی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی راست بازی اور نبوت کے تقاضوں کا اظہار اپنے باپ کے ساتھ کیا اور اُن سے بغیر کسی لاگ لپٹ کے کہہ دیا کہ ’’ابا جان! آپ جن بے جان اور خود تراشیدہ بتوں کی پوجا اور عبادت کرتے ہیں۔ آپ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ یہ نہ تو سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ آپ کی کوئی بگڑی بنا سکتے اور نہ ہی آپ کا کوئی کام انجام دے سکتے ہیں۔ ان کے آگے سجدہ ریز ہونا، ان کے ساتھ اُمیدیں وابستہ کرنا، ان کو مشکل کشا سمجھنا اور ان سے حاجتیں طلب کرنا آخر انسان کو کیسے زیب دیتا ہے۔ یہ عمل اور رویہ تو انسان کے مقام اور مرتبہ سے ہی فروتر ہے۔ پھر وہ اپنے باپ سے کہتے ہیں:-

SAIRA ABBASI

> ابا جان! ’’میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ آپ میرے پیچھے چلیں میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔‘‘ ابا جان! ’’آپ شیطان کی بندگی نہ کریں۔ شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے۔ ابا جان مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں۔‘‘ (مریم، ۴۲ تا ۴۵)

حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ سے اللہ کی طرف سے آئی ہوئی وحی اور ہدایت کے بارے میں بتاتے ہیں کہ میرے پاس واضح ہدایت اور راہنمائی ہے اور آپ اس راہنمائی کی

پیروی کریں۔ یہی سیدھا راستہ ہے اور نجات کی طرف لے جانے والا۔ پھر آپؑ اپنے باپ سے شیطان کی پیروی کرنے سے بھی منع کرتے ہیں۔ کیونکہ شیطان اللہ کا نافرمان ہے اور جو بھی اس کے پیچھے چلے گا وہ اللہ کی ہدایت سے محروم ہو کر اللہ کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا اور شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے وہ انسان کو خواہشاتِ نفس کا بندہ بنا کر اللہ کے عذاب اور عتاب کا شکار بن جانے کی طرف لے جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ کی خیر خواہی کا حق ادا کرتے ہیں اور اُن کو اللہ کی بندگی کی طرف بلا کر اپنا فرضِ منصبی بھی انجام دیتے ہیں۔ یہی اُن کا مشن تھا اور اللہ کے بھیجے ہوئے ہر ایک پیغمبر کا یہی مشن اور منصبی فریضہ ہے۔

قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ آیا ہے۔ اپنے باپ، اپنے خاندان، اپنی قوم، وقت کے نمرود اور بُت گروں و بت پرستوں کے ساتھ اُن کے مکالمات۔ پھر آزمائش کے مراحل، آگ میں ڈالا جانا، پھر ہجرت، مکۃ المکرمہ میں خانہ کعبہ کی تعمیر، پھر حضرت اسماعیلؑ کو قربانی کے لیے پیش کرنا۔ ان سب مرحلوں میں آپؑ نے نبوت اور رسالت کے فرائض انجام دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی بلکہ اپنی پوری زندگی میں اس کا حق ادا کرنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ اسی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اُن کو دُنیا کی امامت اور قیادت کا منصب عطا کر دیا۔

وَاِذِابْتَلٰی اِبْرَاهِیمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ
اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ٥

”یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ کو اُس کے ربّ نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ اُن سب میں پورا اُتر گیا تو اُس نے کہا ’میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں‘، ابراہیمؑ نے عرض کیا ’کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے‘ اُس نے جواب دیا ’میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔‘“

SAIRA ABBASI

یہاں اس بات کی وضاحت کی جاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرنے والے ہی امامت اور قیادت کا منصب حاصل کر سکتے ہیں۔ جو اُن کے طریقے پر نہیں چلیں گے اُن کے لیے قیادت اور رہنمائی کا مرتبہ اور مقام نہیں ہوگا۔

حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کے ساتھ مکالمہ کیا اور نمرود سے کہا میرا ربّ زندگی اور موت دیتا ہے۔ نمرود نے کہا زندگی اور موت تو میں بھی دیتا ہوں۔ اس کے ثبوت میں ایک نہتے انسان کو قتل کر دیا اور ایک مجرم کو قتل کرنے سے بچا لیا۔ حالانکہ یہ زندگی اور موت کی ایسی تعبیر ہے جو نمرود جیسے کج فہم اور متکبر انسان کی طرف سے ہی بطور دلیل پیش کی جا سکتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کج بحثی میں الجھے بغیر دوسری دلیل پیش کر دی کہ میرا ربّ مشرق سے آفتاب کو طلوع کرتا ہے اور مغرب میں غروب کر دیتا ہے تو ذرا آفتاب کو مغرب سے طلوع کر کے دکھا دے کہ تجھ میں وہ قدرت اور طاقت ہے۔ نمرود ہکا بکا رہ گیا۔ اُس سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ یہ دلیل اُس کے لیے کافی تھی کہ وہ حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لا کر اللہ کی بندگی کا راستہ اختیار کر لیتا اور اللہ کی بغاوت اور سرکشی سے باز آ جاتا۔ مگر اللہ کا قانون ہے:

وَاللّٰہُ لَا یَھْدِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ

”اللہ بندگی کی حدود سے تجاوز کرنے والے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔“

اس واقعہ کا تذکرہ سورہ البقرہ میں آیا ہے۔ سورہ الانبیاء میں اُس واقع کا ذکر ہے جس کے نتیجے میں قوم نے آگ کا الاؤ تیار کرنے اور حضرت ابراہیمؑ کو اُس میں ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ ہم اُن آیات کا ترجمہ پیش کریں گے:

> ”اُس سے بھی پہلے ہم نے ابراہیمؑ کو اُس کی ہوشمندی بخشی تھی اور ہم اُس کو خوب جانتے تھے۔ یاد کرو وہ واقعہ جبکہ اُس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ یہ مورتیں کیسی ہیں جن کے تم لوگ گرویدہ ہو رہے ہو۔ انہوں نے جواب

دیا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے۔ اُس نے کہا تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کیا تم ہمارے سامنے اصلی خیالات پیش کر رہا ہے یا مذاق۔ اُس نے جواب دیا۔ نہیں بلکہ فی الواقع تمہارا رب وہی ہے جو زمین اور آسمانوں کا رب اور اُن کا پیدا کرنے والا اس پر میں تمہارے سامنے گواہی دیتا ہوں اور خدا کی قسم میں تمہاری غیر موجودگی میں ضرور تمہارے بتوں کی خبر لوں گا۔ چنانچہ اُس نے اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور صرف اُن کے بڑے کو چھوڑ دیا تا کہ شاید وہ اُس کی طرف رجوع کریں۔ (انہوں نے آکر بتوں کا یہ حال دیکھا تو) کہنے لگے ”ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کر دیا۔ بڑا ہی کوئی ظالم تھا وہ“ (بعض لوگ) بولے ”ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سنا تھا جس کا نام ابراہیمؑ ہے“۔ انہوں نے کہا تو پکڑ لاؤ اُسے سب کے سامنے تا کہ لوگ دیکھ لیں اُس کی کیسے خبر لی جاتی ہے۔ (ابراہیمؑ کے آنے پر) انہوں نے پوچھا کیوں ابراہیمؑ تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ بلکہ یہ سب کچھ اُن کے اس سردار نے کیا ہے ان ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔ یہ سن کر وہ لوگ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور (اپنے دلوں میں) کہنے لگے۔ واقعی تم خود ہی ظالم ہو۔ مگر پھر اُن کی مت پلٹ گئی اور بولے ”تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں“۔ ابراہیمؑ نے کہا پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کو پوج رہے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان۔ تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو۔ کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے انہوں نے کہا ”جلا ڈالو اس کو اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے“۔ ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا

ابراہیمؑ پر۔"

سورہ الانبیاء تفہیم القرآن جلد ۳ آیت (۵۱ تا ۶۹)

اللہ تعالیٰ اپنے مخلص اور یکسو بندوں کی کس طرح مدد کرتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے لیے آگ کو ٹھنڈا ہو جانے اور باعث سلامتی بن جانے کا حکم دینا اس کی زندہ اور تابندہ مثال ہے۔ جس اللہ نے اُس وقت اپنے بندے کو آگ سے محفوظ رکھا وہ خدا آج بھی زندہ، پائیندہ اور قدرت و طاقت رکھنے والا ہے۔ آج بھی اگر ابراہیمؑ کے طریقے پر چل کر باطل اور غاصب قوتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کوئی بات کرے گا تو اُس کے لیے بھی آگ کو گلزار بنا دینے والا اللہ موجود، حاضر و ناظر ہے۔

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایمان پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستان پیدا!

سورۃ الشعراء میں ایسا ہی ایک اور مکالمہ ہے جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے یہی باتیں کیں کہ تم جن بتوں کی پوجا کرتے ہو وہ نہ تمہیں نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ نقصان۔ قوم کا جواب تھا ہم نے اپنے باپ کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔ ہم اُنہی کے طریقے کی پیروی کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا:

> "میرے تو یہ سب دشمن ہیں۔ بجز ایک ربّ العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری راہنمائی فرماتا ہے۔ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے، جو مجھے موت دیگا اور پھر دوبارہ مجھ کو زندگی بخشے گا اور جس سے میں اُمید رکھتا ہوں کہ روز جزا میں وہ میری خطا معاف فرمادے گا"

اس کے بعد ابراہیمؑ نے دُعا کی

رَبِّ هَبْ لِیْ حُکْماً وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ

''اے میرے ربّ مجھے حکم عطا کر اور مجھ کو صالحوں کے ساتھ ملا۔

ہجرت اور قربانی:

آگ کے الاؤ سے سلامت و بعافیت نجات پانے کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت کا اعلان کر دیا۔

وقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّی سَیَهْدِیْنِ ہ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ہ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلَامٍ حَلِیْمٍ ہ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ہ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ہ وَنٰدَیْنٰهُ اَنْ یّٰاِبْرٰهِیْمُ ہ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَآ ؕ اِنَّا كَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ہ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ہ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ہ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ہ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرَاهِیْمَ ہ كَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ہ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ہ (الصٰفٰت: ۹۹ تا ۱۱۱)

''ابراہیم نے کہا ''میں اپنے ربّ کی طرف جاتا ہوں وہی میری راہنمائی کریگا۔ اے پروردگار، مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحین میں سے ہو''۔ اس دُعا کے جواب میں ہم نے اُس کو ایک حلیم، بردبار لڑکے کی بشارت دی۔ وہ لڑکا جب اُس کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو ایک روز ابراہیمؑ نے اُس سے کہا۔ ''بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب تو بتا تیرا کیا خیال ہے؟ اُس نے کہا ابا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اُسے کر ڈالیے۔ آپ انشاءاللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔''

> "آخر کو جب ان دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا اور ہم نے ندا دی کہ "اے ابراہیمؑ تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا اور اس کی تعریف و توصیف ہمیشہ کے لیے بعد کی نسلوں میں چھوڑ دی۔ سلام ہے ابراہیمؑ پر ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھا۔"

ان آیات میں حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت اور پھر حجاز مقدس پہنچ کر حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کا واقعہ پیش آتا ہے۔ آگ کے الاؤ میں اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کر کے کود پڑنا اور اکلوتے بیٹے کو ماتھے کے بل لِٹا کر، اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے عمل کا مظاہرہ کرنا، عظیم اور بے مثال قربانیوں کے مظاہر ہیں۔ یہ سب کچھ اُس اللہ کی محبت اور اطاعت میں کیا جاتا ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ ایمان لا چکے تھے۔ آج کی اُمت مسلمہ بھی اللہ پر ایمان لانے کا دعویٰ کر رہی ہے۔ لیکن اللہ کی اطاعت، بندگی، رضامندی اور خوشنودی کے لیے کیا ہم ان بے مثال قربانیوں کے لیے اپنے آپ کو تیار پاتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو آج ایک ارب ساٹھ کروڑ مسلمان پوری دُنیا میں پھیلے ہوئے 58 ملکوں میں اپنی حکومتیں رکھتے ہوئے، سیاسی، معاشی، تہذیبی، تمدنی، انفرادی اور اجتماعی ذِلت و خواری سے دوچار نہ ہوتے۔

SAIRA ABBASI

خانہ کعبہ کی تعمیر:

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمَاعِیْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط
اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ

ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ ؕ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ہ

''اور یاد کرو، ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دُعا کرتے جاتے تھے اے ہمارے ربّ ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے ربّ ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرمان) بنا۔ ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اُٹھا جو تیری مسلم ہو۔ ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما۔ تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے اور اے ربّ، ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول اُٹھائیو جو انہیں تیری آیات سنائے۔ ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے۔ تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔''

(البقرہ: ۱۲۷ تا ۱۲۹)

یہی وہ گھر ہے جس کی طرف رُخ کر کے تمام دنیا کے مسلمان نماز ادا کرتے ہیں۔ یہی وہ گھر ہے جس کا عمرہ اور حج کے مواقع پر طواف کیا جاتا ہے۔ یہ گھر پوری اُمت کے لیے مرکز، مرجع اور ماویٰ ہے جو امن اور آشتی کا گہوارہ ہے۔ جو ہر مسلمان کی اُمیدوں، آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز ہے اس کا طواف کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں عجز وانکساری کے ساتھ دُعائیں مانگی جاتی ہیں اور نیک مقاصد کے لیے دُعاؤں کی قبولیت کا وعدہ ہے۔

حج بیت اللہ:

حج کا فریضہ جو ہر صاحبِ استطاعت مسلمان مرد اور خاتون پر فرض ہے اس کے سارے مناسک حضرت ابراہیمؑ کی سُنت مطہرہ کی حیثیت سے ادا کئے جاتے ہیں۔ ہر سال حج کے موقع پر 25 سے 30 لاکھ تک مسلمان مکۃ المکرمہ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ عمرہ کرتے ہوئے بھی احرام باندھتے طواف کرتے اور صفا، مروہ کی سعی کرتے ہیں۔ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ سے احرام باندھ کر تمام حجاج کرام منیٰ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں منیٰ کا پورا میدان خیموں کا شہر بنا ہوتا ہے۔ 9 ذی الحجہ کو میدان عرفات کی طرف روانگی ہوتی ہے۔ وہاں غروب آفتاب تک قیام رہتا ہے۔ یہ حج کا بنیادی رُکن ہے۔ فقہ کی کتابوں میں درج ہے کہ اگر کسی حاجی سے وقوفِ عرفات ساقط ہو گیا تو اُس کا حج مکمل نہیں ہوتا ہے۔ عرفات کے میدان میں تمام حجاج کرام عبادات اور دُعاؤں میں مصروف ہوتے ہیں۔ امام کعبہ خطبہ دیتے ہیں جس میں پوری انسانی برادری بالعموم اور اُمتِ مسلمہ کے لیے بالخصوص ہدایات اور رہنمائی کا درس ہوتا ہے۔ اسلام کا تعارف ہوتا ہے۔ زندگی کے مسائل کے حل کی حیثیت سے اسلام کو پیش کیا جاتا ہے۔ امن اور آشتی، برادری اور برابری، انسانی اور اخلاقی اقدار کی پاسداری، ظلم و استبداد اور سامراجی قوتوں کے استحصال اور جبر و قہر کی نشاندہی اور اُس کی مذمت اور اُس کے خلاف جہاد کی یاددہانی کرائی جاتی ہے۔ اُمتِ مسلمہ کو وَاعْتَصِمُوْ الِبحَبْلِ اللہِ کے مرکز کی طرف بلایا جاتا ہے۔ رنگ، نسل، زبان، علاقہ، پیشہ اور ذات پات کے تفرقات سے بالاتر ہو کر قرآن وسنت کے سر چشمۂ قوت وہدایت کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ یہ روح پرور منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ الفاظ کا دامن بہت تنگ ہے اس کی منظر کشی کے لئے، ہر ایک حاجی تقویٰ، خدا ترسی، آخرت پسندی اور اطاعت شعاری کا مجسمہ بنا ہوتا ہے۔ دُعاؤں میں رقت ہوتی ہے۔ آنکھیں پُرنم ہوتی ہیں۔ گڑگڑا کر دُعائیں مانگنے میں اتنی لذّت اور طمانیت حاصل

ہوتی ہے کہ اس حال میں جان دینے کی تمنائیں کروٹ لیتی ہیں۔ ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کی جاتی ہیں اور پھر سورج غروب ہونے سے پہلے مزدلفہ کی طرف روانگی ہوتی ہے۔ یہ سفر بڑا ہی صبر آزما ہوتا ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں گاڑیوں میں سفر، بڑا دشوار گذار اور وقت طلب ہوتا ہے۔ یہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کی جاتی ہیں۔ یہ پوری رات آسمان کے سایہ تلے عبادت اور ذکر و اذکار میں گذاری جاتی ہے۔ 10 ذی الحجہ کو پھر منیٰ کی طرف واپسی ہوتی ہے۔ رمی جمرہ، جانوروں کی قربانی اور طوافِ زیارت کے ارکان انجام دئے جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ 13 ذی الحجہ تک جاری رہتا ہے۔ اس طرح حج کا یہ عمل پورے پانچ دنوں میں مکمل ہو جاتا ہے۔ یہ سب مناسک حضرت ابراہیمؑ کی سنت کے اتباع اور پیروی میں پورے کئے جاتے ہیں۔ رمی جمرہ حاجی کو یاد دلاتے ہیں کہ شیطان کی پیروی سے ہر حال میں بچے رہنا ہے۔ یہ تیرا ازلی دشمن ہے۔ اس کے ساتھ کبھی تیری دوستی اور رفاقت نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس کی علامت پر کنکڑیاں مارنا تجھے یاد دلاتا ہے کہ اس کی ہر خواہش اور مانگ کو تو نے ردّ کرنا ہے۔ زندگی کے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں یہ ہر قدم اور ہر موڑ پر تجھے اپنی طرف بلاتا ہے لیکن تجھے اس کے بلاوے کو ٹھکرانا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح اللہ کے فرمان کی تکمیل اور پیروی میں اپنا سفر جاری رکھنا ہے۔ جانوروں کی قربانی یاد دلاتی ہے کہ اصل میں یہ اللہ کی راہ میں اللہ کے دین کے غلبہ کیلئے اور ابراہیمؑ کے مشن کو زندہ رکھنے کے لیے اُن کی دعاؤں کے ثمر حضرت محمدُ الرّسول اللہ ﷺ کے طریقے کی پیروی میں اپنی جان اور اولاد تک کی قربانی کا جذبہ اُجاگر کرنا ہے۔ حج بیت اللہ کے دوران میں جملہ مناسک انجام دیتے ہوئے اگر حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی، اُن کا مشن، اُن کی قربانیاں، اُن کا ایثار اُن کی للّٰہیت و حنیفیت، اللہ کے دین کے غلبہ، پھیلاؤ، اشاعت اور ترویج کی چھاپ حاجی کی زندگی پر نہ پڑ جائے تو سب کچھ ایک بے روح رسم ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہی کچھ آج کے دور میں

دیکھنے میں آرہا ہے۔ اقبالؒ نے اسی صورتِ حال کا سامنا کرتے ہوئے بجا طور فرمایا ہے۔

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں، مگر تو باقی نہیں!

ان عبادات کے نتیجے میں جو مسلمان وجود میں آنا چاہیے تھا وہ کہیں دیکھنے میں نہیں آرہا ہے۔ **الا ماشاء اللہ تعالیٰ!**

عالمی سطح پر پوری ملّت کی یہ عظیم اور بے مثال کانفرنس، اگر ابراہیمی جذبے اور ولولہ کے ساتھ منائی جائے تو پوری دُنیا میں ایک صالح انقلاب آنے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔ پوری عالم انسانیت بالعموم اور ملّت مرحومہ بالخصوص جن مسائل اور حالات سے دوچار ہے۔ اُن کا دیرپا اور پرامن حل یہی کانفرنس فراہم کرسکتی ہے۔ **فَاعْتَبِرُوْ یَا اُولِی الْاَبْصَارِ!**

ایک وضاحت:

ان صفات کے پڑھنے والے سوچیں گے کہ حضرتِ ابراہیمؑ کے بارے میں قرآنی آیات اور پھر ان کا ترجمہ اور ان کی زندگی کے مختلف مراحل کی عکس بندی کی گئی ہے۔ آخر یہ سب کچھ ہر ایک خود پڑھ سکتا اور از خود آگاہی حاصل کرسکتا ہے۔ اس تکرار اور ورق گردانی کی کیا ضرورت تھی؟ چونکہ میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوگیا میں نے اندازہ کرلیا کہ پڑھنے والوں کے ذہن میں بھی یہ سوال گونج اٹھے گا۔ اس لیے وضاحت کی جانی چاہیے۔

جب ہم کسی پیغمبر، ولی اللہ، عارف باللہ اور دیندار بندے کے بارے میں کچھ لکھیں گے، بولیں گے اور یاددہانی کا فریضہ انجام دیں گے۔ تو دیکھنا ہے کہ ہماری معلومات کا منبع، سرچشمہ اور مرکز کیا ہو۔ قرآن پاک کے علاوہ جتنی بھی الہامی کتب ہیں اُن کے بارے میں قریب قریب یہ بات مسلّمہ ہے کہ اُن میں تحریف ہوئی ہے اور کوئی کتاب اپنے اصل رنگ اور متن کے ساتھ موجود نہیں ہے اور پھر ہر ایک کی ان کتب تک دسترس بھی نہیں ہے۔

مورخین، سیرت نگار اور محقق جو گذرے ہیں اُن کی تحقیقات کے مصادر اور منابع زیادہ قرآن پاک ہی رہا ہے۔ قرآن پاک میں پیغمبروں کی جو سیرت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے بندے تھے فوق البشر نہیں تھے۔ انسانوں کی طرح زندگی گذارتے تھے۔ گھومتے پھرتے تھے بازاروں میں سودا سلف لاتے تھے۔ اپنے اپنے دور میں مختلف پیشوں سے وابستہ رہے ہیں۔ کسی نے لوہار کا پیشہ اختیار کیا، کسی نے نجار کا اور کسی نے گلکار کا اور کسی نے چوپائیوں کے جب پالے ہیں۔ ان کے ازدواجی رشتے بھی ہیں۔ اُن کی اولاد بھی ہے، بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی۔ انہوں نے تجارت بھی کی ہے وہ غیب کا علم نہیں رکھتے تھے اُن میں اور عام انسان میں صرف یہ امتیاز تھا کہ اُن پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی۔ عام بندوں کے لیے ہدایت اور راہنمائی کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا۔ چونکہ ہدایت اور راہنمائی کے منصب پر ان کو فائز کیا اس لیے اللہ نے اُن کو خصوصی طور اپنی حفاظت میں رکھا اور کوئی ایسی عمل، کوتاہی اور گناہ نہیں ہونے دیا جس کی وجہ سے عام انسانوں پر ان کا اعتماد مجروح ہو جائے۔ قرآن کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبروں کی زندگی میں بھی ایسے واقعات آئے ہیں جہاں ان کے قدم پھسل جانے کے اندیشے پیدا ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے بروقت مدد پہنچا کر اُن کو محفوظ و مصنون رکھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح عزیز مصر کی اہلیہ نے، جس کے گھر میں وہ پل رہے تھے ورغلانے کی کوشش کی لیکن اللہ نے ایسے جذباتی اور ہیجانی مرحلے پر اُن کو گویا ہاتھ پکڑ کر گناہ میں ملوث ہونے سے بچالیا اور پھر اس خاتون کے شوہر کی موجودگی میں ایسی شہادت سامنے لائی گئی، جس سے انکار کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی۔ اگر ایسی واضح اور ناقابل تردید شہادت نہ ملتی تو شکوک و شبہات کے بادل ہر دو جانب چھا جاتے۔ پیغمبروں، اولیاء کرام، متقی اور پرہیزگار بندوں کو جب ہم قرآن پاک سے بالاتر ہو کر اپنے یا دوسرے انسانوں کے خود ساختہ معیاروں کے مطابق پرکھتے ہیں تو غلو اور عقیدت کے ایسے معیار اختیار

کئے گئے کہ پیغمبروں اور خدا کے درمیان بہت کم فیصلہ رہا۔ عقیدت اور محبت کے ایسے جذبات پرورش پا گئے کہ خدا کو اختیارات اور کارفرمائی کے مقام سے بے دخل کر دیا گیا اور تمام اختیارات پیغمبروں اور اولیاء کرام کو سونپ دیئے گئے۔ اُن کو علم غیب کا حامل قرار دیا گیا۔ اُن کو مشکل کُشا اور حاجت روا قرار دیا گیا۔ اللہ کی ذات کے ساتھ ان کی شرکت اس طرح عقیدت کا حصہ بنائی گئی کہ قسم کھاتے ہوئے اللہ اور رسول ﷺ میں کوئی حدِ فاصل نہیں رہنے دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے بارے میں قرآن پاک میں واضح کر دیا ہے کہ تمام انسانوں کی طرح وہ بھی طبعی موت سے دوچار ہوں گے۔ سورۂ زمر میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ٥

اے نبی ﷺ "تمہیں بھی مرنا ہے اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے"

(سورہ الزمر: ۳۰)

لیکن قرآن پاک کی تعلیمات سے دوری اختیار کر کے ہماری عقیدت اور محبت میں اتنا غلو چھا گیا ہے کہ ہم پیغمبروں کے انتقال کو تسلیم ہی نہیں کرتے جس طرح اللہ کی دائمی صفت ہے کہ وہ حی و قیوم ہے۔ ان صفات میں پیغمبروں کو بھی شریک ٹھیرایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست بندوں کی صفات میں خاص طور پر دو صفات کا تذکرہ کیا ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ٥ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ٥ (یونس: ۶۲، ۶۳)

"سنو! جو اللہ کے دوست ہیں، جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کا رویہ اختیار کیا اُن کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔"

قرآن پاک سے دوری اختیار کرنے کے بعد پوری دنیا میں مسلمان دورِ جاہلیت

میں گھر چکا ہے۔ اُس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی انہی بدیوں، گمراہیوں، خرابیوں، برائیوں، اسراف اور تبذیر کا بری طرح شکار ہو چکی ہے۔ قرآن اور سُنت مطہرہ سے راہنمائی سے غافل اور لاتعلق بن کر وہ سب سے بڑی گمراہی یعنی شرک میں مبتلا ہو گیا۔ مشرک قوم اور مسلمان کے اعمال دیکھ کر، دونوں میں تمیز کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ اس گھمبیر صورتحال سے نجات حاصل کرنے کا صرف اور صرف ایک ہی راستہ اور طریقہ ہے کہ مسلمان ہدایت کے اصل سرچشمہ قرآن اور سنت کی طرف رجوع کرے۔ موجودہ دور میں مسلمان کو صوفی ازم، وطنیت، لادین سیاست اور تفریق دین وسیاست کا شکار بنا کر باطل قوتوں کے لیے تر نوالہ بنایا جارہا ہے۔ یہ عمل نہ صرف غیر مسلموں کے ہاتھوں بلکہ نام کے مسلمانوں کے ہاتھوں بھی انجام دیا جارہا ہے۔ قرآن پاک کی روشنی میں حضرت ابراہیمؑ کی سیرت پاک کے جو گوشے سامنے لائے جاچکے ہیں وہ ان کی پوری زندگی کا احاطہ نہیں کررہے ہیں۔ اگر اُن تمام مقامات کا احاطہ کیا جائے جن میں حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے خدوخال، سنِ شعور سے لیکر فانی دُنیا سے رُخصت ہونے تک تو بڑی ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے جو اس وقت پیشِ نظر نہیں ہے۔

9 دسمبر 2008ء کو یہ عید منائی جائے گی انشاء اللہ۔ حضرت ابراہیمؑ کی سنت کی یاد میں لاکھوں مسلمان حج بیت اللہ کا فریضہ انجام دیں گے جس کا تذکرہ آچکا ہے۔ باقی دُنیا کے مسلمان عرفہ کے دن سے تکبیرات کا آغاز کریں گے۔ نماز عید ادا کرنے کے بعد صاحب نصاب لوگ قربانی کا فریضہ انجام دیں گے اور عید کی خوشیوں میں شریک ہوں گے۔ اللہُ اکبر اللہُ اکبر لا الہ الا اللہ واللہُ اکبر اللہُ اکبر وللہِ الحمد! ۔ یہ تکبیرات یوم عرفہ کی نماز فجر کے بعد سے 13 ذی الحجہ کی نماز عصر پر ختم ہوں گے ان کی کل تعداد 23 آنی چاہیے۔ اللہ اکبر، اگر ہم شعور کی بیداری کے ساتھ پڑھیں گے تو ہماری کایا پلٹ جائے گی مگر افسوس صد افسوس، ہم ان کلمات کی قلب وروح کے ساتھ نہیں بلکہ محض زبان کے ہیر پھیر کے ساتھ

دہراتے ہیں۔ سورہ مدثر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ (المدثر: ۱،۳)

"اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے اٹھو اور خبردار کرو اور اپنے ربّ کی بڑائی کا اعلان کرو۔"

تشریح: "یہ ایک نبی کا اولین کام ہے جسے اس دُنیا میں اُسے انجام دینا ہوتا ہے۔ اُس کا پہلا کام ہی یہ ہے کہ جاہل انسان یہاں جن جن کی بڑائی مان رہے ہیں اُن سب کی نفی کر دے اور ہانکے پکارے دنیا بھر میں یہ اعلان کر دے کہ اس کائنات میں بڑائی ایک خدا کے سوا اور کسی کی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں کلمہ اللہُ اکبر کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اذان کی ابتداء بھی اللہ اکبر کے اعلان سے ہوتی ہے۔ نماز میں بھی مسلمان تکبیر کے الفاظ کہہ کر داخل ہوتا ہے اور بار بار اللہ اکبر کہہ کر اٹھتا اور بیٹھتا ہے۔ جانور کے گلے پر چھری بھی پھیرتا ہے تو بسم اللہ اکبر کہہ کر پھیرتا ہے۔ نعرہ تکبیر آج ساری دُنیا میں مسلمان کا سب سے زیادہ نمایاں امتیازی شعار ہے کیونکہ اس وقت کے نبی ﷺ نے اپنا کام ہی اللہ کی تکبیر سے شروع کیا تھا۔

"اس مقام پر ایک اور لطیف نکتہ بھی ہے جسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے جیسا کہ ان آیات کی شانِ نزول سے معلوم ہو چکا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا جب رسول اللہ ﷺ کو نبوت کا عظیم الشان فریضہ انجام دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا تھا اور یہ بات ظاہر تھی کہ جس شہر اور معاشرے میں یہ مشن لے کر اٹھ کھڑے ہونے کا حکم دیا جا رہا تھا وہ شرک کا گڑھ تھا۔ بات صرف اتنی نہ تھی کہ وہاں کے لوگ عام عربوں کی طرح مشرک تھے بلکہ اس سے بڑھ کر بات یہ تھی کہ مکہ معظمہ مشرکینِ عرب کا سب سے بڑا تیرتھ بنا ہوا تھا اور قریش کے لوگ

اُس کے مجاور تھے۔ ایسی جگہ کسی شخص کا تن تنہا اٹھنا اور شرک کے مقابلے میں توحید کا علم بلند کر دینا بڑے جان جوکھوں کا کام تھا۔ اسی لیے "اٹھو اور خبردار کرو" کے فوراً بعد یہ فرمایا کہ "اپنے ربّ کی بڑائی کا اعلان کرو" اپنے اندر یہ مفہوم بھی رکھتا ہے کہ جو بڑی بڑی ہولناک طاقتیں اس کام میں تمہیں مزاحم نظر آتی ہیں اُن کی ذرا پروانہ کرو اور صاف صاف کہہ دو کہ میرا ربّ اُن سب سے زیادہ بڑا ہے جو میری اس دعوت کا راستہ روکنے کے لیے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ یہ بڑی سے بڑی ہمت افزائی ہے جو اللہ کا کام شروع کرنے والے کسی شخص کی کی جا سکتی ہے۔ "اللہ کی کبریائی کا نقش جس آدمی کے دل پر گہرا جما ہوا ہو وہ اللہ کی خاطر اکیلا ساری دُنیا سے لڑ جانے میں بھی ذرہ برابر ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے گا"۔ (تفہیم القرآن جلد ۶، صفحہ ۱۴۲: ۱۴۳)

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مؤمن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی!

اقبالؒ

اللہ غالب و قاہر پر اعتماد اور بھروسہ کے ساتھ مؤمن ظاہری ساز و سامان کے بغیر بھی باطل قوتوں کے ساتھ معرکہ آراء ہوتا ہے اور اللہ اُس کی مدد کرتا ہے اور وہ باطل قوتوں کے مادی اسلحہ اور لاؤ لشکر پر فتح و نصرت حاصل کرتا ہے۔ تاریخ نے ایسی بے شمار مثالیں اپنے صفحات پر رقم کی ہیں بشرطیکہ دیدۂ بینا ہو۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

"اور اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔"

(یوسف:۲۱)

SAiRA ABBASi

SAIRA ABBASI

قربانی:

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ہ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ ہ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَالۡاَبۡتَرُ ہ

"اے نبی ﷺ ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا پس تم اپنے ربّ ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ تمہارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے"

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے "اے نبی ﷺ جب تمہارے ربّ نے تم کو اتنی کثیر اور عظیم بھلائیاں عطا کی ہیں تو تم اُسی کے لیے نماز پڑھو اور اُسی کے لیے قربانی کرو، یہ حکم اُس ماحول میں دیا گیا تھا جب مشرکینِ قریش ہی نہیں تمام عرب کے مشرکین اور دنیا بھر کے مشرکین اپنے خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے تھے اور اُنہی کے آستانوں پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔ اس حکم کا منشاء یہ ہے کہ مشرکین کے برعکس تم اپنے اسی رویے پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو کہ تمہاری نماز بھی اللہ ہی کے لیے ہو اور قربانی بھی اُسی کے لیے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ہ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ہ

اے نبی ﷺ کہہ دو میری نماز میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔"

سورہ انعام (۱۶۲،۱۶۳)

عید الاضحیٰ کی نماز ادا کرنے کے بعد قربانیاں پیش کی جاتی ہیں۔ جانوروں کو ذبح کرتے وقت حضرت ابراہیمؑ کا اپنے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹانا اور ذبح کے لیے چھری چلانا اور اللہ کی طرف سے اسماعیلؑ کے بدلے مینڈھے کو ذبح کرنا، ہر قربانی پیش کرنے والے کو یاد آنا

چاہیے اور یہ سب کچھ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ہونا چاہیے اور جذبہ یہ ہونا چاہیے کہ اللہ کے ہاں جانور کے گوشت اور خون کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ اُس جذبے، تقویٰ کی قبولیت ہے جو قربانی کے پیچھے موجود ہونا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد ربّانی ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

''نہ اُن کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون، مگر اُسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔''

(الحج:۳۷)

ہدیہ تبریک:

عید الاضحیٰ کے اس مقدس اور متبرک دن پر میں جموں کشمیر کے عوام کی غالب اکثریت کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اصل عید اُن لوگوں کی ہوتی ہے جو استعماری قوتوں کے پنجۂ استبداد سے آزاد ہوں۔ مگر ہماری مظلوم قوم ڈوگرہ شاہی سو سالہ غلامی سے نکل کر بھارت کے فوجی تسلط میں جکڑی جا چکی ہے۔ گذشتہ 62 سال سے ہم اس غلامی سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ مگر بھارت طاقت کے نشے میں مست ہماری جائز مانگ اور مطالبے کو مسترد کر کے اپنا فوجی قبضہ برقرار رکھنے پر بضد ہے۔ اس لیے ہماری عید محض ایک رسم ہو کر رہ گئی ہے۔ بقولِ اقبالؒ

عید آزاداں شکوہِ ملک و دین
عید محکوماں ہجومِ مؤمنین!

میں اس عید کے موقع پر اپنا منصبی فریضہ انجام دینے کی نسبت سے یہ دردمندانہ اپیل دہراتا ہوں کہ عید نہایت سادگی کے ساتھ منائی جائے اور عید کی خوشیوں میں اپنے اُن لوگوں کو بھی شریک کریں جو یتیم ہو گئے ہیں۔ جو خواتین بیوہ ہو گئیں ہیں، جن کے گھر نذر آتش ہو چکے ہیں، جو انٹروگیشن سینٹروں میں ناکارہ بنا دئے گئے ہیں، جو دس ہزار لاپتہ جوانوں

کے انتظار میں اُن کی واپسی کا راستہ تکتے رہتے ہیں۔ جو ایک ہزار نامعلوم قبروں میں جاننا چاہتے ہیں کہ ان میں کون دفنائے گئے ہیں۔ جن کے لاڈلے اور کمانے والے سنگینوں کے پیچھے دھکیل دیے گئے ہیں۔ جو مسکین اور نادار ہیں مگر دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کے روادار نہیں ہیں۔ زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے کوئی انکار نہیں کرسکتا مگر جو قومیں اعتدال کی روش کو نظر انداز کر کے اسراف اور تبذیر کے شکار ہو کر رہ جائیں وہ کوئی بڑا معرکہ سر نہیں کرسکتی ہیں۔ ہماری قوم کو اس بات کا احساس اُجاگر کرنا چاہیے کہ زندگی کی بدترین صورت حال، یعنی غلامی کی لعنت کا طوق ہماری گردنوں میں ہے اور ہم اس طوق کو گردنوں سے نکالنے کی جدوجہد کو اولین ترجیح نہیں دے سک رہے ہیں یہ ہمارے لیے بہت بڑا المیہ ہے۔

نام نہاد انتخابات:

۸ لاکھ فوج اور 600 مزید کمپنیاں اور پولیس کی گن گرج میں انتخابات کا ڈرامہ رچایا جارہا ہے۔ 17 نومبر کو جو پہلا مرحلہ گذر چکا ہے اُس میں بھارت کا پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا بہت بغلیں بجارہا ہے کہ لوگوں نے بائیکاٹ کال کا کوئی اثر قبول نہیں کیا ہے اور ووٹ ڈالنے کے لیے جوق در جوق لوگ پولنگ بوتھوں تک پہنچ گئے اور انہوں نے سڑکوں، پانی، بجلی اور ملازمتوں کے لیے ووٹ کا استعمال کیا ہے۔ گریز کا حلقہ انتخاب فوج کی چھاونی ہے وہاں کسی کو جرأت نہیں پڑسکتی کہ وہ بائیکاٹ کرے اور ووٹ ڈالنے سے باز رہے۔ وہاں 100% ووٹ پڑسکتے ہیں اور وہ سب کچھ فوج کی کرشمہ سازی ہے۔ بانڈی پورہ حلقہ انتخاب میں 32% اور سوناواری میں 56% ووٹ ڈالے جانے کی خبر اخبارات میں آئی ہے۔ کارڈنیشن کمیٹی نے بانڈی پورہ چلو کا پروگرام دیا تھا۔ سرینگر اور وادی کے دوسرے حصوں میں بغیر اعلان کے کرفیو کا ماحول بنادیا گیا تھا۔ اس بات کو دہرانے کی ضرورت نہیں

ہے کہ بائیکاٹ کرنے والے سارے لیڈر اور کارکن ستمبر کے اوائل سے ہی آہنی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیے گئے ہیں اور دوسرے لیڈر حضرات کو House Arrest رکھا گیا تھا۔ گویا حکومت ایسی کشتی لڑ رہی ہے جس میں مدمقابل پہلوان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے گئے ہیں اور پھر کشتی جیتنے کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ بانڈی پورہ اور سوناواری میں ووٹنگ کے خلاف مظاہرے بھی ہوئے ہیں۔ ووٹ ڈالنے والے اکثر جوانوں نے کہا ہے کہ ہم جدوجہد آزادی کے ساتھ ہیں مگر سڑکوں اور دوسرے مسائل کو حل کرنے کے لیے ہم نے ووٹ کا استعمال کیا ہے۔ بندوق کے سائے میں ان انتخابات کو کسی بھی حال میں Free and Fair قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

تجزیہ نگاروں کی آراء:

الیکشن کے پہلے مرحلے پر تبصرہ کرتے ہوئے کچھ مبصروں اور تجزیہ نگاروں نے کہا کہ الیکشن اور جدوجہد آزادی اور مسئلہ کشمیر کو الگ الگ رکھنا چاہیے۔ الیکشن سے مسئلہ کشمیر کی متنازعہ حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ یہ بات اصولی طور ٹھیک ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ جن قوتوں نے ہماری آزادی سلب کر لی ہے وہ اس کو کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے گذشتہ 62 سال کے عرصے میں الیکشن عمل کو اپنے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ الیکشن بائیکاٹ کے پیش نظر یہی مدعا تھا کہ استعماری قوتوں کو اس کے استحصال کا موقع نہ ملے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جموں کشمیر کے متنازعہ خطہ میں آزادی اور حصول حق خودارادیت کے لیے نصف صدی سے زائد عرصے میں تمام طریقے اور راستے عملائے اور اپنائے گئے مگر بھارت نے کبھی اپنے غیر حقیقت پسندانہ پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں لائی۔ انتخابات کا طریقہ بھی آزمایا گیا۔ 53ء کے بعد سے انتخابات میں بائیکاٹ کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ 87ء تک

انتخابات میں حصہ بھی لیا گیا۔ 88ء کے اواخر سے قوم نے بالعموم اور نوجوانوں نے بالخصوص قربانی کا راستہ اختیار کیا۔ بھارتی حکومت نے جان، مال، عزت، آبرو کی تمام قربانیوں کو ''دہشت گردی'' کا الزام دیکر ریاستی دہشت گردی کا بھرپور استعمال کر کے پوری قوم کو بدنام کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ 9/11 کے بعد اُس کو امریکہ کی طرف سے اس پالیسی میں مدد بھی ملی اور اس کے اثر میں پاکستان جو 1947ء سے سیاسی، اخلاقی اور سفارتی سطح پر Kashmir Cause کی حمایت کرتا چلا آرہا تھا انہوں نے بھی اس مدد سے ہاتھ کھینچ لیا اور حکومتی سطح پر U-turn کر کے 62 سالہ قربانیوں کو نظر انداز کر دیا۔ یہ سب تجربات دہرا کر کسی بھی مرحلے پر بھارت نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز آنے کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ طاقت اور فوجی قوت کی بنیاد پر اپنا جابرانہ اور غاصبانہ قبضہ جاری رکھنے کی استعماری پالیسی اپنائی۔ جون 2008ء سے عوامی سطح پر ایک Up Rising ماحول بنا۔ پورے متنازعہ خطہ میں عام طور اور وادیٔ کشمیر میں خاص طور پر لوگ لاکھوں کی تعداد میں سڑکوں پر آگئے اور انہوں نے آزادی اور حقِ خودارادیت کا مطالبہ کیا۔ یہ نہایت پُرامن احتجاج اور مطالبہ منوانے کا طریقہ تھا اس کو بھارت کے پاس طاقت کا استعمال سے دبانے کا جواز نہیں تھا مگر انہوں نے اپنے جمہوری دعاوں کو بالائے طاق رکھ کر بے تحاشا طاقت کا استعمال کیا۔ 63 سے زائد جوانوں کو شہید کر دیا 2,690 سے زائد نوجوانوں کو زخمی کر دیا۔ بعض کی ٹانگیں کاٹ دی گئیں۔ بعض کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں۔ بعض کے بازو توڑ دئے گئے۔ پوچھا جاسکتا ہے کہ کیا یہ پُرامن جمہوری عمل نہیں تھا؟ اگر تھا تو بھارتی حکومت کو کیا اس کا نوٹس نہیں لینا چاہیے تھا؟ اگر کوئی نوٹس نہیں لیا گیا بلکہ اس بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ 9 دنوں تک کرفیو نافذ کر دیا، لالچوک چلو کے پروگرام کو ہر مرحلے پر کرفیو کا نفاذ کر کے ناکام بنا دیا گیا۔ اس ساری صورتحال میں بھارت کے زیرِ انتظام 8 لاکھ فوج، 600 پیرا ملٹری

فورسز کمپنیاں اور پولیس کی بالا دستی اور جبر و بربریت کے سایے میں الیکشن کروانے کا کیا جواز تھا؟ پھر الیکشن میں شریک ہونے والی ہندنواز پارٹیوں کے منافقانہ اور غدارانہ کردار کو بھی خاموشی اختیار کر کے سندِ جواز عطا کرنا تھا۔ تجزیہ نگاروں کو اس پسِ منظر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے تھا اور اس بات کو مسئلہ کشمیر سے الگ کر کے جدوجہد آزادی کو جاری رکھنا تو لازمی ہے۔ مگر اس پر منفی اثرات پڑنے سے بھی بچاؤ کا طریقہ بھی قیادت کو سوچنا اور اختیار کرنا پڑتا ہے۔

بھارت کے استعماری اور سامراجی طریقِ کار کا صرف اور صرف ایک ہی مقصد ہے کہ آزادی پسند لوگ تھک جائیں اور بالآخر Status Quo کا حل قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ شکست خوردگی کا یہ راستہ قبول کرنے کا ہم کبھی مشورہ نہیں دیں گے اور 62 سالہ عظیم اور بے مثال قربانیوں کا سودا کرنا بھی گوارا نہیں ہوسکتا ہے۔ حصولِ حقِ خودارادیت کی جدوجہد نوجوان نسل تک منتقل ہو چکی ہے۔ اگر خدانخواستہ وہ اس کی حفاظت نہیں کرے گی تو سامراجی تسلط کے نتائج اور عواقب بھی اُس کو ہی بھگتنا پڑیں گے۔ سڑکیں، Fly Over، ملازمتیں، پانی، بجلی اور گلِ لالہ کے باغ نتائج کو بدل نہیں سکیں گے۔ ہماری روح نوحہ کناں رہے گی:

SAIRA ABBASI

تن بہ تقدیر ہے آج اُن کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر!

زعفرانی آتنک واد:

مالیگاؤں بم دھماکے کے ملزموں پر 'مکوکا'، ممبئی اے ٹی ایس کا اعلان۔ ملزموں کے خلاف پختہ ثبوت ہونے کا دعویٰ، سیاسی دباؤ سے انکار، چارج شیٹ کے

لیے 180 دنوں کی مہلت۔ چھ ماہ تک ضمانت نہیں ہو سکے گی۔

ا۔ سادھوی پرگیہ سنگھ ٹھاکر ۲۔ میجر رمیش ابادھیائے ۳۔ سوامی امریتانند عرف دیانند پانڈے اور لیفٹنٹ کرنل سری کانت پرساد پروہت سمیت دس لوگ گرفتار کیے گئے ہیں۔ اول الذکر تین کے فوٹو بھی شائع ہوئے ہیں۔

عدالت میں پیشی کے لیے جانے کے دوران بم دھماکہ کے ملزم کرنل پروہت اور سادھوی پرگیہ سنگھ ٹھاکر پر شیوسینا کے کارکنوں نے پھول برسائے اور اُن کے حق میں نعرے بلند کیے۔

”روزنامہ راشٹریہ سہارا، ۲۱ر نومبر ۲۰۰۸ء“

”مکوکا“ Maharashtra Control of Organised Crime Act.

یہ قانون بھارت کی صرف دو ریاستوں مہاراشٹرا اور کرناٹک میں نافذ العمل ہے۔ مالیگاؤں اور دوسرے دھماکوں میں مبینہ طور گرفتار شدگان کے بارے میں بی جے پی کے صفِ اول کے لیڈران کا احتجاج۔ اس وقت بھارت کے پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا میں موضوع بحث ہے۔ جناب ایل کے ایڈوانی نے سادھوی کے بیان کے مطابق اذیت رسانی کے الزام پر بھارت کے وزیر اعظم سے بات کر کے زبردست ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ یہاں تک کہ انہیں مسٹر نارائین کو اُن کی خدمت میں بھیجنا پڑا تاکہ وہ حقائق پیش کر سکیں۔ گذشتہ دنوں حیدآباد میں 22 مسلم نوجوانوں کو عدالت نے جیل سے رہا کر دیا۔ کیونکہ پولیس کی طرف سے لگائے گئے الزامات غلط اور بے بنیاد ثابت ہو گئے۔ پولیس حراست کے دوران میں اُن نوجوانوں نے اذیت رسانی کے سنگین اور دہلا دینے والے واقعات دہرائے مگر کسی لیڈر یا حکمران طبقہ کے کسی ذمہ دار نے ان پر اظہارِ افسوس تک نہ کیا۔ پولیس نے تیس تیس ہزار روپے ان کی مدد کے لیے دینے کا اعلان کر کے، اُن کے زخموں پر

نمک پاشی کی۔ اُن نوجوانوں اور اُن کے وارثوں نے بجا طور پر مطالبہ کیا کہ بیس تیس ہزار روپئے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ان پولیس آفیسران کے خلاف کارروائی کی جانی چاہیے جنہوں نے ہمیں محض شک وشبہ کی بنیاد پر ذہنی اور جسمانی اذیتوں کا نشانہ بنایا ہے۔ پولیس ہو یا فوج دراصل یہ ایک خاص ذہنیت کا شکار بنادئے گئے ہیں peace activist Mr, Puniyoni نے ممبئی میں جماعت اسلامی ہند کے ’’امن کاروان‘‘ کے زیر اہتمام ایک جلسے میں کہا ہے:

> "I am not suprised by the arrest of a serving Armymen in the terrorist acts. Members of the Sangh Parivar have inflitrated in police and the force"
>
> Times of India, 17 November, 2008

جموں کشمیر کے مظلوم عوام کو اس حقیقت کا عینی مشاہدہ گذشتہ نصف صدی سے زائد عرصہ سے بالعموم اور بیس برسوں سے بالخصوص ہو رہا ہے۔ اس لیے اُن کے لیے بھی یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے۔ اس ذہنیت کا اصل نشانہ اور Target کیا ہے۔ اس بارے میں بھی ہمیں کسی انجانے پن اور غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ گذشتہ دنوں بھارت کے ایک معروف جرنلسٹ بنگلہ دیش کے دورہ پر گئے تھے۔ واپسی پر اُن کے مشاہدات کی ایک جھلک آپ بھی دیکھئے۔

> ’’ڈھاکہ میں اپنے چار روزہ قیام کے دوران میں نے کسی عورت کو برقعے میں نہیں دیکھا اور نہ ہی کوئی نعرہ لکھا ہوا پوسٹر، جس میں اسلام اور اللہ کا نام لیا گیا ہو، موسیقی جس پر انتہا

پسندوں کو اعتراض ہوتا ہے ڈھاکہ کی زندگی کی روح ہے“

(روزنامہ راشٹریہ سہارا، ۱۲؍نومبر ۲۰۰۸ء)

”اگر یہ بزرگ صحافی ڈھاکہ ”مسجدوں کے شہر میں“ اذان کی کوئی آواز بھی نہ سنتا تو اور زیادہ خوشی اور مسرت محسوس کرتا“ **العیاذ باللہ من ذالک**۔ اُمت مسلمہ کو جہاں کہیں بھی وہ ہو اصل خطرہ یہی ہے کہ جس لادین تہذیب اور مشرکانہ کلچر کی زد میں وہ ہے۔ وہ اس کی اصل شناخت مٹا دینا چاہتی ہے۔ اسی حقیقی خطرہ سے علامہ اقبالؒ نے ۱۹۳۳ء میں اُمت کو بروقت آگاہ کیا تھا۔

لیکن از تہذیب لادینے گریز
زانکہ او با اہل حق دارد ستیز

کہنہ دزدے غارت او برملاست
لالہ می نالد کہ داغِ من کجاست!

ترجمہ ”لادین تہذیب کے غلبہ اور اثرات سے پرہیز کرنا چاہیے اور اس کو اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دینا چاہیے۔ یہ تہذیب اہل حق، یعنی اسلام چاہنے والوں، اس کے احیا، پھیلاؤ اور غلبہ کے لیے کام کرنے والوں کے ساتھ ہمیشہ برسرِ جنگ رہتی ہے۔ یہ لادین تہذیب، بہت پرانا اور قدیم ڈاکو اور رہزن ہے۔ اس کی غارت گری، چوری چھپے نہیں بلکہ اعلانا اور دن دھاڑے ہوتی ہے۔ اس نظام کے غلبہ میں مسلمان کی اصل شناخت اور پہچان مٹ جاتی ہے۔ جس طرح گلِ لالہ کے درمیان میں سیاہ داغ اُس کی پہچان ہوتا ہے وہ داغ مٹ جائے اور گل لالہ آہوزاری کرتا ہے کہ میری شناخت اور پہچان کہاں گئی؟ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، داڑھی، خواتین کے لیے پردہ، اذان، اللہ اکبر،

خوشی اور غمی میں اسلامی آداب، شعائر، اس تہذیب کے اصل اہداف اور Target ہوتے ہیں جن کو وہ دھیرے دھیرے مٹا دیتا ہے کیونکہ اس کا تمام ذرائع اور وسائل پر مکمل کنٹرول ہوتا ہے۔''

امریکہ کے نئے منتخب صدر اور مسلمانوں کی توقعات:

عیدالاضحیٰ کے اس عالمگیر اجتماع اور مقدس دن پر گردوپیش کی دنیا پر نظر ڈالنا ہماری انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری بنتی ہے۔ ۴رنومبر ۲۰۰۸ء کو ایک طویل بہت ہی castly انتخابی عمل کے بعد ووٹ ڈالے گئے اور ۵رنومبر کو جناب براک حسین اوبامہ کے منتخب ہوجانے کا اعلان کر دیا گیا۔ براک حسین کے والد مسلمان ہیں اور والدہ عیسائی۔ انہوں نے والدہ کے دین اور مذہب کو ہی قبول کیا ہے۔ وہ افریقہ کے ملک کینیا میں پیدا ہوئے ہیں۔ انہوں نے انڈونیشیا میں بھی تعلیم پائی ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ وہ 20 جنوری 2009ء کو اپنے منصب کا حلف اٹھائیں گے۔ مسلمانوں کو جو پوری دنیا میں ایک ارب ساٹھ کروڑ کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں اور 58 ملکوں میں اُن کی قومی حکومتیں ہیں۔ میرا اپنا تجزیہ ہے کہ کسی مسلمان کو کسی دوسرے ملک یا مذہب سے تعلق رکھنے والے افراد، اقوام، یا حکومتوں کے ساتھ کوئی ذاتی پرخاش اور عناد نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اسلام وحدتِ آدم کی تعلیم دیتا ہے اور وہ رنگ، نسل، ذات پات، مذہب، عقیدہ اور زبان کی بنیاد پر انسان کو تقسیم کرنے کا روادار نہیں ہے۔ قرآن اور صاحب قرآن جناب محمد رسول اللہ ﷺ جو عالم انسانیت کے لیے بالعموم اور اُمتِ مسلمہ کے لیے بالخصوص سرچشمۂ ہدایت اور راہنمائی ہے۔ تقسیمِ آدم کے خلاف ہے۔ طوالت کے خوف سے میں شواہد پیش کرنے سے معذرت خواہ ہوں۔

امریکہ کی پالیسی اصل میں موضوعِ بحث بنتی ہے۔ اُن کی حکومت کا اسلام اور

مسلمانوں کے بارے میں کیا رویہ اور طرز عمل رہتا ہے وہی معیار بنتا ہے۔ 9/11 2001 کو جو امریکہ پر حملہ ہوا جس کے نتیجے میں 3 ہزار سے زائد افراد مارے گئے۔ اُس کی دنیا کے گوشے گوشے میں مذمت کی گئی۔ اس حملے کی ذمہ داری القاعدہ اور اُسامہ بن لادن پر ڈال دی گئی۔ امریکہ نے انتقامی کارروائی کے لیے پاکستان کی حکومت پر دباؤ ڈالا کہ ”ہمارا ساتھ دو ورنہ پتھر کے زمانے میں دھکیل دیے جاؤ گے“ پاکستان کے اُس وقت کے حکمران اس دھمکی کے نتیجے میں چاروں خانے چت ہو گئے۔ امریکہ نے 16 اکتوبر 2001ء کو افغانستان پر حملہ کر کے طالبان کی حکومت کو ختم کیا اور اب تک وہ نیٹو فوجوں کو ساتھ لے کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ 9/11 کی دہشت گردی کے جواب میں بدترین دہشت گردی ہے۔ نئے امریکی صدر کے لیے یہ امتحان ہے کہ وہ اس دہشت گردی سے دست کش ہو کر افغانستان سے نیٹو فوجوں سمیت واپس جائے گا یا نہیں؟

23 مارچ 2003ء کو امریکہ نے برطانیہ کو ساتھ لے کر عراق پر حملہ کیا۔ الزامات بے بنیاد ثابت ہو گئے۔ اصل میں تیل کے چشموں پر قبضہ جمانا تھا۔ لاکھوں لوگ مارے گئے 10 لاکھ سے زائد لوگوں نے ہجرت کی۔ امریکہ کی اس ننگی جارحیت اور صدام حسین کو عیدالاضحیٰ 2007ء پر پھانسی دینا، انسانی حقوق کی بدترین پامالی ہے۔ نئے صدر کا امتحان ہے کہ وہ عراق سے نکل جائے گا یا نہیں؟

امریکہ پاکستان کے اندر داخل ہو کر زمینی اور فوجی کارروائیاں کر رہا ہے۔ القاعدہ اور طالبان کو نشانہ بنانے کا بہانہ ہے اصل میں قبائلی اور سرحدی علاقوں میں عام شہری شہید کر دئے جاتے ہیں۔ نئے صدر کی پالیسی کیا حقیقت پسندانہ روپ دھارن کر کے پاکستان پر فوری طور حملے بند کریگا یا نہیں؟ پاکستان کی موجودہ حکومت پہلے حکمرانوں سے مختلف پالیسی جاننے اور اختیار کرنے میں اب تک ناکام ہو چکے ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے کہ امریکہ کے ساتھ

اُن کا کوئی خفیہ معاہدہ ہے جس کے بل بوتے پر امریکہ دندانہ اس جنگی جارحیت کا ارتکاب کررہا ہے۔ امریکہ کے نئے صدر کے بارے میں رائے قائم کرنے میں یہ بھی ایک معیار ہے۔

امریکہ ایران پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ وہ پُر امن مقاصد کے لیے جوہری طاقت حاصل نہ کرے۔ یہ پالیسی بھی غیر حقیقت پسندانہ ہے اور کسی ملک کی خود مختاری اور خود انحصاری کے خلاف ہے۔

امریکہ اسرائیل کی مالی طور اسلحہ کے ذریعہ، سیاسی اور اخلاقی سطح پر مدد کررہا ہے اور اسرائیل فلسطین پر اپنی بالادستی قائم کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اسرائیل نے 34 دن کی جنگ میں لبنان کی اینٹ سے اینٹ بجادی حزب اللہ کا ہوا کھڑا کر کے امریکہ کی بالواسطہ جارحیت کی ایک اور مثال ہے۔ امریکہ فلسطین میں لادین سیاست کی کھلے عام سرپرستی کررہا ہے اور حماس کا قافیہ تنگ کرنے میں الفتح کی مدد کررہا ہے۔ امریکہ نے حماس کو کمزور کرنے کے لیے اُس کے جمہوری راستے سے برسر اقتدار آنے کو گوارا نہیں کیا اور اُن کی معاشی ناکہ بندی کردی۔ الفتح کو جولائی 2006 میں ستائیس ملین ڈالر کی مدد دی تاکہ وہ اپنے فوجی دستوں کو زیادہ مضبوط بنائے اور حماس کا راستہ روکے۔ آج حماس غزہ کی پٹی میں محصور ہو کر رہ گیا ہے بلکہ الفتح اور حماس کے درمیان ٹکراؤ اور تصادم بھی امریکہ اور اسرائیل کی مشترکہ پالیسی ہے۔

نئے منتخب صدر نے بر سبیل تذکرہ کشمیر کا بھی ذکر کیا اور سابق صدر جناب بل کلنٹن کی خدمات حاصل کرنے کی بات کی ہے۔ دہلی میں دیکھا گیا کہ اُن کی اس بات سے ارتعاش پیدا ہو گیا ہے۔ پرنٹ اور الکٹرانک میڈیا نے اس پر تبصرہ اور جائزے پیش کئے اور مجموعی طور اُن کی اس بات کو پسند نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ بھارت فوجی قبضے کو برقرار رکھ کے اپنا تسلط جمائے رکھنا چاہتا ہے۔ کشمیر کے مسئلہ کو حل کرنے میں مدد کی ایک صورت یہ ہے کہ بھارت اور پاکستان کو بات چیت کے ذریعہ مسئلہ حل کرنے میں مدد دینی چاہیے۔ یہ طریقہ مکمل طور ناکام

ثابت ہو چکا ہے۔ 23 مارچ 1952ء سے اب تک 130 بار سے زیادہ بات چیت کے دور چلے ہیں۔ مگر 62 سال گذر جانے کے بعد بھی بات آگے نہیں بڑھی ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حل میں مدد کرنے کی صرف اور صرف ایک ہی صورت ہے کہ اس کے تاریخی پسِ منظر کو سامنے رکھتے ہوئے حقِ خود ارادیت کی بنیاد پر ایک کروڑ تیس لاکھ عوام کو اپنا پیدائشی اور بنیادی حق کے استعمال کا موقع فراہم کیا جائے۔ اقوام متحدہ کے چارٹر اور تسلیم شدہ 18 قراردادوں کی عمل آوری ہو۔

جموں کشمیر کا مسئلہ بھارت اور پاکستان کے درمیان سرحد کا تنازعہ نہیں ہے کہ دونوں ملک اپنے اپنے مفادات کو سامنے رکھ کر جموں کشمیر کے عوام کی غالب اکثریت پر کوئی حل مسلط کریں جو ان کی خواہشات اور 47ء سے لے کر آج تک کی عظیم اور بے مثال قربانیوں کے منافی ہو۔ ایسا کوئی حل نہ تو قابل قبول ہو سکتا اور نہ ہی پائیدار ثابت ہو سکتا ہے۔

معاشی استحصال:

فوجی قبضہ کے بعد سیاسی شاطروں کی وساطت سے اس جبری قبضہ کو عوامی رنگ دینے کی کوششیں ہمیشہ سامراجی حربوں کا حصہ رہا ہے۔ اس قبضہ کی وجہ اور سہارے پر جو ذرائع اور وسائل ان کے کنٹرول میں آجاتے ہیں اُن کو اپنی تہذیب اور کلچر مسلط کرنے کے لیے استعمال میں لاتے ہیں تاکہ مفتوح قوم کے ذہن کو اور خاص طور اُن کی نئی پود کو ”شدھی“ بنایا جائے جس کے لیے سب سے زیادہ اور مؤثر ترین ہتھیار نظامِ تعلیم ہوتا ہے۔ اقبال مرحومؒ نے اس کے زہریلے اثرات کو یوں بیان کیا ہے:

سینے میں رہے رازِ ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں عوام کو تیغوں سے کبھی زیر

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اُسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر!

قابض قوتیں اس ہتھیار کو بڑی برق رفتاری اور چالاکی سے استعمال میں لا رہی ہیں اور اس کے سنگین اثرات ٹھوس شکل میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ مگر جو قوم مادی مفادات کا شکار ہو چکی ہو وہ اس کا توڑ کرنے کے بجائے اس میں مددگار بن رہی ہے۔

ذہنی اور تہذیبی سطح پر محکوم کو ”دام ہم رنگ زمین“ میں پھنسا کر اُس کو معاشی طور محتاج سے محتاج تر بنا دیا جاتا ہے۔ خود اُس کے ذرائع وسائل اور خام مواد کو اپنے کنٹرول میں لے کر شکل بدلا کر Refine اور پالش کر کے اُس کو فروخت کر کے بے پناہ نفع کماتے ہیں۔ متحدہ ہندوستان میں برطانوی سامراج نے بھی یہی طریقہ استعمال کر کے خام مواد اپنے یہاں پہنچا کر مادی صنعت کا بہت بڑا وسیلہ اور ذریعہ بنایا۔ اسی نسبت سے ہندوستان کو ”سونے کی چڑیا“ کا نام دیا گیا۔ بھارت سرکار جموں کشمیر کے متنازعہ خطہ میں اسی پالیسی پر کاربند ہے اور بے پناہ منافع کما رہا ہے۔ اس موضوع پر ہمارے ماہرین معاشیات کو تحقیقات کر کے مظلوم قوم کو اصل حقائق سے آگاہ کرنے کی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ درج ذیل اعداد و شمار کسی حد تک چشم کشا ثابت ہوں گے۔

Food

Kashmir produces food barely for three months. For the rest of the year, it depends on imports from outside mostly Punjab, Haryana and UP. It is an estimated Rs. 700 crore business that includes the public distribution system run by the state Government.

The crisis has a few main factors.

1. Land holding have gone down to such an extent that it is least remunerative for the owners.
2. Fast pace of conversion of agriculture land into apple orchards simply because peasants do not get even a fraction from paddy if compared to horticulture.
3. Massive pressure on land by armed forces and surging urban population.

SAIRA ABBASI

Power

J&K has an identified potential of 20,000 MWs of which 16,200 is identified. However only a fraction of it has been tapped so far - mostly in the central sector by NHPC. NHPC has projects with installed capacity of 1560 MW operating in state.

J&K government has transferred a total of 13 projects to the NHPC for implementation. It gets a 12 percent of generation as royalty. As on date the status of these projects is as under:

S. No.	Projects	Design Energy	Capacity	Status	Tariff Per Unit
1	Salal Power Station	3082 MU	690 MW	Under Operation	Rs. 0.63
2	Uri Power Station	2587 MU	480 MW	Under Operation	Rs. 0.82

3	Dul Hasti Power Station	1928 MU	390 MW	Under Operation	Rs. 3.00
4	Sewa-II HE Project	534 MU	120 MW	Under Construction	Rs. 2.95
5	Uri-II HE Project	1124 MU	240 MW	Under Construction	Rs. 2.35
6	Nimoo Bazgo HE Project	239 MU	45 MW	Under Construction	Rs. 5.79
7	Chutak HE Project	216 MU	44 MW	Under Construction	Rs. 5.46
8	Kishenganga HE Project	1437 MU	330 MW	CCEA Obtained	Rs. 2.50
9	Pakal Dul HE Project	3387 MU	1000 MW	DPR Submitted	Rs. 2.60
10	Bursar HE Project	---	1020 MW	DPR Under Prepration	Yet to be finalized
11	Kiru HE Project	2114 MU	600 MW	DPR Submitted	Rs. 1.83
12	Kwar HE Project	1847 MU	520 MW	DPR Submitted	Rs. 3.02
13	Ratle HE Project	2659 MU	690 MW	DPR Submitted	Rs. 2.35

Recently, on the consistent instance of some policy makers in Srinagar and Delhi, three projects - 600-MW Kiru, 1000-MW Pakal Dul, and 520 MW-Kawar - were transferred to a Joint Venture Company in which NHPC and J&K PDC have 49 percent shares each with remaining two percent being held by another central PSU Power Trading Corporation. From J&K point of view it is a very positive development that has taken place, perhaps that is why many people are talking against the deal. Under this agreement J&K will get 13 percent royalty plus 49 percent of remaining energy as its share. It will have the right to purchase the rest of the remaining generation if and when the projects come up.

J&K continues to be the major source of its energy for NPHC and perhaps the only state which has given almost all its major projects to the centre. In 2007-08, when NHPC recorded a net profit of Rs. 1005 crores, almost one-third of it (Rs. 300 crores) came from its J&K operations, its provisional results said. Of the 14,813 million units of energy it sold for Rs. 2300 crores, its three projects in J&K generated around 8000 million units. Its J&K projects have been offering NHPC a generation share between 48 and 57 percent in last five years.

In the state sector, the situation is quite grim. State has only 308 MW capacity besides the now operationalizing 450-MWs Baglihar (so far it has only two units of 150 MWs each operating). Though the NC and PDP government had somehow managed to start the work on 1200-MW Sawlakote - that still is the cheapest power in India - and it would have been almost ready by 2010 but Azad government played a spoil sport for no obvious reason other than money. PDP government had re-negotiated the NC deal and managed to decrease the costs of the projects significantly. But Azad destroyed the deal and the case is in the court of law where government would lose. There is possibility of J&K being asked to pay damages to the company that worked on project design for almost eight years. That would be a huge disaster.

Raw Material Exploitation

SAIRA ABBASI

J&K has a significant place in India's economy but it is rarely being acknowledged. For example:

- ☆ Kashmir contributes 70 percent to India's apple basket Kashmir has monopoly on Saffron
- ☆ Kashmir has monopoly on almonds
- ☆ J&K is only source of Indian walnuts
- ☆ Kargil is main apricot producer
- ☆ Leh is main source of seabuckthorn

But there are less than five traders who export some of these products - one apple juice and four walnut - abroad. All this becomes a raw material source to the big houses in plains.

There are certain cheap raw materials available that do not fetch Kashmir much like

- ☆ Hides and skins that Kashmir sells at throwaway cost (less than Rs. 50 crores) come back as finished goods worth Rs. 500 crores.
- ☆ For decades Kashmiris are manufacturing bats but they still have not been given the art to make it handle. This is despite the fact that units doing business worth hundreds of crores in Jhalunder and Meerut are 100 percent dependent on willow from the valley.

SAIRA ABBASI

Dependence:

Kashmir depends on almost everything from plains. Actually Kashmir survives on whatever neighboring states produce. It works like this: Rice - Jammu, Punjab, Haryana and UP Chicken - Punjab and Haryana Mutton - Rajisthan

Vegetables - Punjab
Flour-Jammu
Milk - Punjab

Business Model:

A classic business model is operational in J&K. Usually the simply economics suggests that the consumer should get the share in the jobs that the business creates but it is not happening in Kashmir. For example:

Medicines are around Rs. 1000 crores business in J&K and over Rs. 900 crores comes from Muslim belt because Hindus use ayervedic preparations and not allopathic. But the business is not with anybody in Kashmir and is controlled by not less than 20 men from Jammu.

Cigarettes make around Rs. 600 crore business. It is one of the main factors for cancers in Kashmir. But this business is also being controlled from Jammu.

All the FMCG majors and the MNC have their depots in Jammu, where most of central government's offices are located. Only security forces have operating offices in Kashmir.

SAIRA ABBASI

عید الاضحیٰ 2009ء اور حالاتِ حاضرہ

آج ۱۲ نومبر ۲۰۰۹ء میں عید الاضحیٰ کی نسبت سے اپنے جذبات اور احساسات اپنی مظلوم اور بھارت کے پنجۂ استبداد میں جکڑی ہوئی قوم تک پہنچا دینا چاہتا ہوں۔

آج کا یہ مبارک دن پوری امت کو یاد دلاتا ہے کہ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرتِ مطہرہ کو یاد کریں کہ آپؑ نے اپنے دور میں یکہ وتنہا کس طرح شرک اور بت پرستی کا مقابلہ کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت کا علم بلند کیا۔ انہوں نے جس گھر اور خاندان میں جنم لیا وہ بت پرستی اور بت تراشی کا مرکز تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں، تارے، چاند اور آفتاب کو جب آپ نے غروب ہوتے دیکھا تو آپؑ نے بلا خوف وخطر اعلان کر دیا:

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (الانعام،۷۶) ”ڈوب جانے والوں کا میں گرویدہ نہیں“

ڈوبنے اور فنا ہونے والے مظاہر اور نشانیوں سے اعلانِ براٴت کرنے کے بعد آپؑ نے پوری بت پرست اور نمرود پرست قوم کے سامنے ایمان وایقان کا ان الفاظ میں اظہار کیا:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ (الانعام،۷۹)

”میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رُخ اُس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں“۔

اس اعلان کے بعد آپؑ کی زندگی ابتلا اور آمائش کے صبر آزما ادوار سے دوچار ہوئی۔ قوم نے آپؑ کو آگ میں ڈال دینے کے لیے ایک بہت بڑا الاؤ تیار کیا۔ ایک منجنیق تیار کروا کے اُس میں حضرت ابراہیمؑ کو رکھ کر آگ میں ڈال دینے کا منصوبہ بنایا گیا کیونکہ اس

الاؤ کو تیار کرنے کے لیے پوری قوم نے طویل عرصہ تک لکڑیاں جمع کی تھیں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی بیمار ہو جاتا تھا تو وہ منّت مانگتا تھا کہ اگر میں ٹھیک ہو گیا تو الاؤ میں لکڑیاں ڈال دونگا۔ چنانچہ جب آپ کو رسیوں سے باندھ کر آگ کے بہت بڑے الاؤ میں پھینکنے کی کوشش کی گئی تو حضرت ابراہیمؑ نے دُعا مانگی:

لاَ اِلٰـهَ اِلَّا اَنْـتَ سُبْحَـانَکَ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الْمُلْکُ لاَ شَرِیْکَ لَکَ

''تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ذات ہے اور عالمین کا پالنہار ہے۔ تیرے ہی کے لیے تعریف ہے۔ تیری ہی حکمرانی اور حاکمیت ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں''

حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا۔ یا ابراہیمؑ **لک حاجۃ**۔ آپؑ نے فرمایا **مالک فلا** ۔ مگر آپ سے نہیں۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے تعلق اور قربت کی کیا روشن اور زندہ مثال ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے بھی بے نیازی برتی جا رہی ہے کہ میں اس بڑی آزمائش میں مدد کا محتاج تو ہوں لیکن آپ سے نہیں۔ میرا ربّ میرے حال کو دیکھ رہا ہے میں اسی سے مدد مانگ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ حنیف کی مدد کی اور آگ کو حکم دیا

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ۝ (الانبیآء، ٦٩)

''ہم نے کہا، اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی والی بن جا ابراہیمؑ پر''

جس اللہ برتر و بزرگ اور عظیم قدرت و طاقت رکھنے والے نے اُس وقت اپنے مخلص اور یکسو بندے کی مدد کی اور آگ کو گلزار میں بدل دیا وہ اللہ آج بھی زندہ ہے، قدرت والا ہے، طاقت والا ہے، آگ کو گلزار بنانے والا ہے۔ وہ حی و قیوم ہے۔ اُس کے لیے زوال اور موت نہیں ہے۔ لیکن اللہ کو ماننے والے وہ صفات اپنے اندر نہیں رکھتے ہیں جن صفات کو

اللہ پسند کرتا ہے۔ اللہ کو سب سے زیادہ وہ بندہ محبوب اور پیارا ہے جو اُس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ اختیارات میں اور نہ حقوق میں۔ ایسے ایمان و ایقان رکھنے والوں کے لیے اللہ آج بھی آگ کو گلزار بنانے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ بقولِ اقبالؒ

آج بھی ہو جو ابراہیمؑ کا ایمان پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستان پیدا!

حضرت ابراہیم کی نمایاں صفت یہ بھی تھی کہ وہ بندگیِ ربّ میں یکسو تھے اور آپؑ نے اپنے دورِ نبوت میں اتنے عظیم کارنامے انجام دئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک اُمّت ہونے کا عظیم لقب عطا کیا۔

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًاؕ وَلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَۙ

ترجمہ ”واقع یہ ہے کہ ابراہیم اپنی ذات سے ایک پوری امّت تھا، اللہ کا مطیعِ فرمان اور یک سو۔ وہ کبھی مشرک نہ تھا“ (النحل،۱۲۰)

تشریح ”یعنی وہ اکیلا انسان بجائے خود ایک اُمت تھا۔ جب دنیا میں کوئی مسلمان نہ تھا تو ایک طرف وہ اکیلا اسلام کا علمبردار تھا اور دوسری طرف ساری دنیا کفر کی علمبردار تھی۔ اُس اکیلے بندۂ خدا نے وہ کام کیا جو ایک امّت کے کرنے کا تھا۔ وہ ایک شخص نہ تھا بلکہ ایک پورا ادارہ تھا۔“

اُن کی بے مثال قربانیاں تا صبحِ قیامت زندہ و جاویدان رہیں گی۔ اعزّا اور اقارب، پوری قوم نے جب اُن کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو آپ نے سب تعلقات اور رشتوں سے اعلانِ برأت کر کے ہجرت اختیار کی۔ سرزمینِ حجاز میں اللہ کا گھر تعمیر کیا جو تا صبحِ قیامت پوری امّت کے لیے ایک مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر سال یہاں لاکھوں کی تعداد میں لوگ حج ادا کرنے آتے ہیں اور اللہ کی زندہ و تابندہ نشانیوں کا عینی مشاہدہ کر کے اپنے

ایمان وایقان میں نئی جان اورنئی روح پیدا کرتے ہیں۔ اکلوتے بیٹے کے بارے میں جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو خواب میں اشارہ کیا کہ ان کو میری راہ میں قربان کرو تو آپ نے شفقتِ پدری کے باوصف اللہ کی محبت اور اطاعت کا وہ مظاہرہ کیا جس کی نظیر انسانی تاریخ میں ملنا محال ہے۔

اُمتِ مسلمہ عیدالاضحیٰ کو عالمی سطح پر جن قربانیوں کا نذرانہ بارگاہِ ربّ العزت میں پیش کرتی ہے وہ صرف حضرتِ ابراہیمؑ کی اسی قربانی کی یاد میں کیا جاتا ہے۔ قربانی پیش کرتے وقت یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانوروں کا خون اور گوشت نہیں پہنچتا ہے بلکہ وہ جذبہ اور تقویٰ مطلوب ہے جو حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کے پیشِ نظر تھا۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشار فرماتا ہے کہ

لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۚ (الحج:۳۷)

ترجمہ ''نہ اُن کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون، مگر اُسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔''

تشریح '' جاہلیت کے زمانے میں اہلِ عرب جس طرح بتوں کی قربانی کا گوشت بتوں پر لے جا کر چڑھاتے تھے، اُسی طرح اللہ کے نام کی قربانی کا گوشت کعبہ کے سامنے لاکر رکھتے اور خون اس کی دیواروں پر لتھیڑتے تھے۔ اُن کے نزدیک یہ قربانی گویا اس لیے کی جاتی تھی کہ اللہ کے حضور اس کا خون اور گوشت پیش کیا جائے۔ اس جہالت کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا کہ اصل چیز جو اللہ کے حضور پیش ہوتی ہے وہ جانور کا خون اور گوشت نہیں، بلکہ تمہارا تقویٰ ہے۔ اگر تم شکرِ نعمت کے جذبے کی بنا پر خالص نیت کے ساتھ صرف اللہ کے لیے قربانی کرو گے تو اس جذبے اور نیت اور خلوص کا نذرانہ اس کے حضور پہنچ جائے گا، ورنہ خون اور گوشت یہیں دھرا رہ جائیگا۔ یہی بات ہے جو حدیث میں نبی ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''**ان اللہ لا ینظر الیٰ صورکم ولا**

الیٰ اموالکم ولکن ینظر الیٰ قلوبکم و اعمالکم" اللہ تمہاری صورتیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دل اور اعمال دیکھتا ہے۔"

مختصر الفاظ میں حضرت ابراہیمؑ کی پیغمبرانہ زندگی کے خدوخال دیکھ کر ہمیں آج عیدالاضحیٰ کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے کس حد تک آپؑ کی زندگی سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی آخرالزماں ﷺ کو ارشاد فرمایا ہے:

اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ہ (النحل، ۱۲۳)

ترجمہ "یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقے پر چلو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔"

اس نسبت سے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی سیرت پاک کے خدوخال اپنے اندر پیدا کرے۔ شرک کی تمام شکلوں سے پرہیز کرتے ہوئے خلوص نیت اور عمل کے ساتھ اللہ کی بندگی کا راستہ اختیار کیا جائے۔ بندگی صرف عبادات میں ہی نہیں بلکہ پوری زندگی اللہ کی مرضی اور منشاء کے مطابق گذاری جائے اور اُس کے لیے بنیادی اور اولین ضرورت قرآنِ پاک کی پیروی اور اطاعت ہے۔ بقولِ اقبالؒ ؎

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن!

ترجمہ "اگر تم بحثیت مسلمان زندگی گذارنا چاہتے ہو تو قرآنِ پاک کے احکامات اور ارشادات کی پیروی کیئے بغیر ممکن نہیں ہے"

پھر اللہ کی رضا اور اُس کے پسندیدہ دین کی سربلندی کے لیے اپنے اندر ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ کیونکہ قربانیوں کے بغیر زندگی کا کوئی مقصد اور مدعا پورا نہیں ہوتا ہے چہ جائیکہ اللہ کے دین کی سربلندی ہماری جانی اور مالی قربانیوں کے بغیر ممکن ہو سکے۔ رسول رحمت ﷺ کی پاک سیرت میں بھی ہم قربانیوں کی بے نظیر مثالیں دیکھتے ہیں۔ جن سے

حضرت ابراہیمؑ کی قربانیوں کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ مسلمان کے لیے دنیوی اور اُخروی فلاح کے لیے رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت اور پیروی شرط اول ہے۔ اقبالؒ نے بجا طور فرمایا ہے۔ ؎

بہ مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

ترجمہ ''اپنے آپ کو رسول رحمت ﷺ کے اسوہ حسنہ کی مکمل پیروی کے مقام تک پہنچادو۔ اگر ایسا نہیں کروگے تو تمہاری ساری زندگی ابولہب کی پیروی میں گذرے گی۔ ابولہب رسول اللہ ﷺ کے چچا اور اسلام کے بدترین دشمن تھے۔

عید الاضحیٰ کو انتہائی سادگی کے ساتھ گذارنے اور نماز عید کے بعد قربانی کے جانور ذبح کرنے کے بعد گوشت اپنے اعزّا اور اقارب کے ساتھ ساتھ اپنے ہمسائیوں تک بھی پہنچادینے کا عمل اللہ اور رسول ﷺ کے یہاں مقبول اور پسندیدہ ہے۔ آج کے مسلمان عید الفطر ہو یا عید الاضحیٰ سب سے زیادہ سامانِ شکم کی فراہمی اور فراوانی پر مال صرف کرتے ہیں اور حدِّ اعتدال سے بڑھ کر اسراف کے شکار بن جاتے ہیں۔ حالانکہ اِن دونوں مقدس اور بابرکت دنوں میں غریب، یتیم، معذور اور مسکین و مجبور لوگوں کی کفالت اور ہمدردی کا جذبہ غالب ہونا چاہیے تھا مگر ایسا دیکھنے میں نہیں آتا ہے۔ کاش مسلمان اپنی زندگی کے ہر کام میں اعتدال کا راستہ اور طریقہ اختیار کرلیتے تو ہمارے بہت سے مسائل از خود حل ہو جاتے، رسول رحمت ﷺ کا یہ فرمان یاد رکھیے کہ خیر الامورِ اوسطھا تمام معاملاتِ زندگی میں اعتدال کا راستہ اور طریقہ بہتر ہے۔

SAiRA ABBASi

موجودہ مسائل:

عید الاضحیٰ کی نماز عید اور دوسرے فرائض و واجبات ادا کرنے کے ساتھ ساتھ

موجودہ مسائل پر بھی مسلمانوں کو سوچ بچار اور فکر و تدبر کرنا چاہیے۔

پوری ملّت عالمی سطح پر جن گھمبیر اور سنگین ترین مسائل سے دوچار ہے اُن کی بنیادی وجہ اگر تلاش کی جائے تو وہ صرف اور صرف قرآن و سنت کی تعلیمات کی پیروی سے ذہناً اور عملاً دور ہو جانا ہے۔ ۵۷ مسلم ممالک میں مسلمانوں کے ہاتھوں اقتدار ہے ۷۰ فیصد وسائل اور آمدنی کے ذرائع مسلمان ملکوں کے پاس ہیں مگر مسلمان ڈیڑھ ارب کی آبادی کے باوجود دنیا کے مسائل میں کوئی وزن نہیں رکھتے ہیں۔ دنیا کی استعماری قوتوں کے ذہنی اور عملی غلام اور تابع بن چکے ہیں۔ فلسطین، افغانستان، پاکستان اور جموں کشمیر کے مسائل مسلمانوں کی خصوصی توجہ کا مرکز بن جانے چاہیں۔

فلسطین میں پوری مسلم دنیا کو یک زبان ہو کر اسرائیل کو کم از کم ۱۹۶۷ء کی جنگ سے پہلی صورت حال کی طرف جانا چاہیے اور بحالت مجبوری فلسطین کی آزاد مملکت کے ساتھ ساتھ اسرائیل کے وجود کو بھی برداشت کرتا ہے۔ ۵۷ مسلم ممالک امریکہ اور برطانیہ کو جرأت مندی کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اسرائیل کی جارحیت کی حمایت ترک کرے۔ پوری مسلم اُمۃ کو امریکہ اور اُس کے اتحادیوں سے اعلاناً کہہ دینا چاہیے کہ وہ عراق اور افغانستان سے دست کش ہو جائیں اور دونوں ملکوں کے عوام کو اپنے ملک کے مسائل اور معاملات از خود حل کرنے کے مواقع حاصل ہونے چاہیں۔

پاکستان میں برادر کُشی کے دلدوز واقعات پوری اُمّت کو ماہی بے آب کی طرح تڑپنا چاہیے اور اپنے تمام اثر و رسوخ کو استعمال کر کے ان خونین مناظر سے نہ صرف ۱۷ کروڑ پاکستانیوں کو بلکہ پوری ملّت کے کرب و اضطراب کو دُور کرنے کے اقدامات کرنے چاہیں۔ امریکہ اور دوسرے ممالک کو پاکستان میں لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی ترک کر کے پاکستان کو عدمِ استحکام کا شکار ہو جانے سے بچانا چاہیے۔ افغانستان میں اکتوبر ۲۰۰۱ء کے بعد جن

جن ممالک نے اپنا اثر رسوخ بڑھایا ہے وہ پاکستان کے اندر عدمِ استحکام پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ مگر افسوس صد افسوس پاکستان کی حکومت اور سیاسی قیادت نہ تو کھل کر ان ممالک کو اپنی پالیسی بدلنے اور گھناونی سازشیں رچانے سے باز رکھنے کے لیے کہتے ہیں اور نا ہی خود اپنی پالیسی میں تبدیلی لا کر خون خرابہ سے نجات حاصل کرنے کی راہ اپناتے ہیں۔ روزانہ نہتے لوگوں، معصوم بچوں، خواتین اور عام لوگوں کا خون بہانے سے کسی کو کچھ حاصل نہیں ہو رہا ہے سوائے اس کے کہ پورا ملک جس کو امن کا گہوارہ ہونا چاہیے تھا خاک وخون میں نہلا رہا ہے۔ پاکستان میں یہ صورتحال صرف اور صرف اس لیے پیدا ہوگئی ہے کہ پاکستان کے حکمرانوں نے اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی تعمیر کرنے کے لیے اپنے وسائل کا استعمال نہیں کیا۔ مغربی ممالک خاص طور امریکہ اور برطانیہ کی ذہنی غلامی قبول کر کے اپنے ملک کو مشرکانہ اور لادین تہذیب کے رنگ میں رنگنے کی روش سے جتنا جلد ممکن ہو سکے دست کش ہوا جائے۔ صوبہ سرحد میں آئے دن دھماکے ہو رہے ہیں۔ جب یہ سطور لکھی جارہی ہیں پشاور میں مسلسل بم دھماکے ہو رہے ہیں۔ درجنوں افراد، خواتین اور معصوم بچے نشانہ بنائے جارہے ہیں اور حملہ کرنے والے لوگ ذمہ داری بھی قبول کرتے ہیں اور مزید دھماکوں اور حملوں کی دھمکیاں بھی برابر دی جارہی ہیں۔ حملہ کرنے والے پاکستان کے حکمرانوں کو کھلے الفاظ میں کہتے ہیں کہ امریکہ نواز پالیسی ترک کی جائے۔ کسی جائز مطالبے کو منوانے کے لیے تشدد اور بربریت کا سہارا لینا کسی طور جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ایسے حملے کرنے والوں سے ہم عیدالاضحیٰ کے مقدس دن پر دردمندانہ اپیل کریں گے کہ آپ امریکہ کی طرف سے جارحانہ پالیسیوں کے خلاف ہیں۔ امریکہ نے افغانسان، پاکستان، عراق اور فلسطین میں جو پالیسی اختیار رکھی ہے اُس پالیسی سے تمام اُن لوگوں کو اختلاف ہے جو انسانیت کے بہی خواہ ہیں۔ جو انسانوں کا خون بہائے جانے سے دُکھ اور درد محسوس کرتے

ہیں۔ خاص طور باشعور مسلمان اس پالیسی سے زبردست اختلاف رکھتا ہے اور امریکہ کی ان پالیسیوں سے نفرت کرتا ہے مگر طریقِ کار داعیانہ اور مخلصانہ ہونا چاہیے۔ اگر ہم کسی ملک اور حکومت کی انسان کشی اور ظالمانہ پالیسی کے خلاف ہیں تو ہمیں ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو بجائے خود ظلم اور تشدد کا روادار نہ ہو۔ ایسے حالات میں ظالم اور مظلوم میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ مظلوم بھی جب تشدد اور بربریت کا سہارا لے رہا ہے تو وہ خود بھی ظالم بن جاتا ہے۔ اُس کی اِن مُتشدِّدانہ اور برادر کُشی سے ظالم طاقتوں کی مدد ہوتی ہے۔ مظلوم اور محکوم کی کوئی مدد نہیں ہوتی ہے۔

مجموعی طور پاکستان کی صورتحال دنیا کے مسلمانوں کے لیے بالعموم اور جموں و کشمیر کے مظلوم اور محکوم مسلمانوں کے لیے بالخصوص ناقابل برداشت ہے۔ ہمارے دل و جگر چھلنی ہو رہے ہیں۔ ہم دلوں کی کیفیت کے اظہار کے لیے اپنے آپ کو بے بس اور معذور پاتے ہیں۔ عید الاضحیٰ حضرتِ ابراہیمؑ کی عظیم اور بے مثال کردار کی یادیں تازہ کر رہا ہے۔ ہم پاکستان میں تشدد کا سہارا لینے والوں سے نہایت دردمندی سے اللہ اور اللہ کے پیارے اور عظیم پیغمبروں کی سیرت طیبہ کا واسطہ دیکر کہیں گے کہ پاکستان میں برادر کُشی اور نہتے انسانی اور دینی رشتوں کے بھائیوں، بہنوں اور معصوم بچوں کو قتل و غارت گری کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ معاملات کو باہمی مشاورت اور افہام و تفہیم کا راستہ اختیار کر کے حل کرنے کا طریقہ اور راستہ اختیار کیا جائے۔ عید الاضحیٰ کا دن ہمیں جموں کشمیر کے متنازعہ خطہ کے عوام کی مظلومیت کی یاد بھی دلاتا ہے۔ گذشتہ ۶۲ سال سے اس بدنصیب خطے کے عوام اپنا پیدائشی اور بنیادی حق حاصل کرنے کے لیے عظیم اور بے مثال قربانیاں دے رہے ہیں لیکن ان قربانیوں کا صلہ اور بدلہ ہمیں آج تک نصیب نہیں ہو رہا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ بھارت کا نشۂ قوت ہے۔ وہ فوجی طاقت کی بنیاد پر یہاں اپنا قبضہ جاری رکھے ہوئے ہے۔ قومی اور بین الاقوامی

سطح پر جو وعدہ اس متنازعہ خطے کے عوام سے کئے گئے تھے اُن سے انحراف کر کے فوجی طاقت کے بل بوتے پر پوری قوم کا پیدائشی اور بنیادی حق سلب کر لیا جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ عید الاضحیٰ کی نسبت سے ہمیں اس صورت حال سے نجات پانے کے لیے بھی غور و فکر کرنا ہے۔ جموں کشمیر کے مظلوم عوام سے ہم دردمندانہ اپیل کریں گے کہ وہ بھارت کے فوجی قبضے کے خلاف یکسو ہو جائیں اور مراعات کے عوض غلامی کی زنجیروں کو مضبوط بنانے میں مددگار نہ بنیں۔

ہندنواز پارٹیاں جو عام لوگوں کو سڑکوں، ملازمتوں اور مراعات کی لالچ دیکر اپنے گرد جمع کرتی ہیں وہ ہماری آزادی کی جدوجہد کے خلاف ہیں۔ اُن کے ساتھ روابط رکھنا، اُن کو اقتدار کی کرسیوں تک پہنچانے کے لیے ووٹ دینا اور اُن کے جلسوں کی زینت بننا اپنی مقدس جدوجہد کے ساتھ کھلی غداری اور بے وفائی ہے۔ شہداء کے مقدس خون کو روندنا اور پامال کرنا ہے۔ عزتیں اور عصمتیں جو لُٹ گئی اور لُٹ رہی ہیں اُن کو نظرانداز کر کے دیوث بن جاتا ہے۔ ہندنواز پارٹیاں اب کھلے عام اعلاناً ہم سے کہتے ہیں کہ مذہب کو بالائے طاق رکھ کر ترقی اور تعمیری کاموں کے عوض اپنے دین وایمان کو بیچ دینا اور فروخت کرنا ہے۔ ایسے فریب کار لوگ بزرگانِ دین اور اولیاء کرام کی زیارت گاہوں پر جا کر لوگوں کو پُر فریب نعروں سے گمراہ کرتے ہیں اور ایسے آپ کو مسلم معاشرے کے حصہ کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اور بزرگانِ دین کے ساتھ محبت اور عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ کُھلا دھوکہ اور فریب ہے اور لادین سیاست کے شاطرانہ حربے ہیں جو یہ لوگ اختیار کرتے ہیں۔ عید الاضحیٰ کے مقدس دن پر نماز عید ادا کرتے ہوئے ہمیں ان فریب کاروں کا ساتھ دینے سے توبہ کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی مانگ کر آئندہ کے لیے ان فریب کاروں کے جال میں پھنس جانے سے ہر حال میں بچنے اور محفوظ رہنے کی کوشش کرنا ہے۔

عیدالاضحیٰ کا یہ دن ہم کو یاد دلا رہا ہے کہ اسلام مکمل ضابطہء حیات ہے اور کسی مسلمان کے لیے لادین سیاست، سیکولرازم، وطن پرستی اور تفریق دین و سیاست کا گمراہ کن نظریہ اور فلسفہ قبول نہیں کرنا چاہیے اور نہ ایسے نظریات رکھنے والوں کا ساتھ دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا واضح اعلان ہے:

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ
٥ ﴾ (آلِ عمران، ۸۵)

''اس فرماں برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اُس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر مبہم الفاظ میں کہہ دیا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ص وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ٥ ﴾ (البقرہ، ۲۰۸)

''اے ایمان لانے والو، تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کُھلا دُشمن ہے۔''

SAIRA ABBASI

اہل ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ مکمل طور اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ شیطان کی تابعداری اور اطاعت مت کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ جموں کشمیر کے مسلمان جب تک مکمل طور قرآن اور سنت کی تعلیمات کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی گذارنے کا راستہ اور طریقہ اختیار نہیں کریں گے نہ تو وہ غلامی کی لعنت سے نجات حاصل کریں گے نہ دنیا میں امن و آشتی اور عدل و انصاف کا نظام پائیں گے اور نہ آخرت میں ابدی عذاب اور دوزخ کی آگ سے نجات پائیں گے۔

ہم عیدالاضحیٰ کے اس مقدس اور بابرکت دن پر اللہ کو حاضر و ناظر جان کر پوری ملّت کو بالعموم اور جموں کشمیر کے افرادِ ملّت کو بالخصوص یہ بات کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے

ساتھ دلی ہمدردی اور محبت رکھتے ہیں اور ہم کسی حال میں بھی یہ گوارا نہیں کریں گے کہ اسلام کے مکمل ضابطہء حیات کے بغیر آپ کسی لادین اور مشرکانہ تہذیب کا شکار بن کر اپنی دنیا اور آخرت برباد کریں اور آخرت کی زندگی میں ابدی اور دائمی عذاب سے دوچار ہو جائیں۔

ہم اپنے لیے بھی پسند کرتے ہیں کہ اسلام ہمارا دین ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے:

﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ ﴾ (آلِ عمران)

’’اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔‘‘

آپ کے لیے بھی ہم یہی چاہیں گے کہ آپ بھی اسلام کو مکمل نظامِ زندگی کی حیثیت سے قبول کریں اور فلاح دارین حاصل کریں۔ رسول رحمت ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا یُؤمِنُ اَحَدُ کُم حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِہٖ (الحدیث)

’’تم میں سے کوئی اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ جو کچھ اپنے لیے پسند کرے وہی اپنے انسانی اور دینی رشتے کے بھائی کے لیے پسند نہ کرے۔‘‘

بھارت کی غلامی کے چنگل سے آزادی حاصل کرنے کیلئے ہمارا جائز اور مبنی برصداقت مطالبہ حق خود ارادیت ہے جس کا بھارت نے قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہم سے وعدہ کیا ہے۔ تحریک حریت اسی بنیادی مطالبے کو لے کر جدوجہد کر رہی ہے اور اس جدوجہد کے ساتھ وابستگی رکھنے والوں (لیڈروں اور کارکنوں) کو بدترین قسم کی ریاستی دہشت گردی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ہمارے درجنوں افراد جموں و سرینگر کی جیلوں میں قید و بند کی صعوبتوں کا شکار بنائے جا رہے ہیں۔ ظلم و ستم کی یہ تاریکی ضرور چھٹ جائے گی۔ انشاء اللہ! ہماری مظلوم قوم اور تحریک حریت کے ذمہ داران اور کارکنوں کو صبر و برداشت اور عزم و استقلال کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اللہ برتر و بزرگ ضرور ہماری مدد کرے گا اور ہم آزادی برائے اسلام کے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

SAiRA ABBASi

ہم پوری قوم سے درمندانہ اپیل کریں گے کہ وہ شہداء کے مقدس خون کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے بنیادی اصول اور مؤقف پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں۔ ربّ کائینات کی مدد اور نصرت پر بھروسہ کر کے استقامت کا مظاہرہ کریں اور یقین رکھیں کہ اللہ برتر و بزرگ ہمارے حق میں حالات بدلے گا اور ہم بھارت کے پنجۂ استبداد سے نجات حاصل کریں گے۔ ہماری مظلوم قوم سیاسی، معاشی، معاشرتی اور دینی حیثیت سے جس انحطاط و زوال اور انتشار فکر و عمل کا شکار ہوگئی ہے اُس کی بنیادی وجہ بھارت کی آٹھ لاکھ فوج کا جبری اور ناجائز قبضہ ہے۔ ۲۷ لاکھ ۶۱ ہزار ۱۴۰ کنال زمین پر قبضہ اسی جبری تسلّط کی ایک کڑی ہے جس کے خلاف ہم پُرامن احتجاج اور مظاہرے کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ مگر استبدادی قوتیں ہمیں اس بنیادی حق سے بھی محروم کر رہی ہے اور ہم پر سرکاری دہشت گردی کا مظاہرہ کر کے احتجاج کرنے سے روک رہی ہے۔

عیدالاضحیٰ کے اس مقدس دن پر ہم اپنے جموں کے دینی اور انسانی رشتوں کے بھائیوں سے چاہے وہ مسلمان ہوں، ہندو ہوں، سکھ ہوں، بودھ ہوں یا عیسائی ہوں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرتے ہیں کہ ہم آپ کو ساتھ لے کر اس جدوجہد کو منطقی انجام تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ ہم کسی حال میں جموں کشمیر کی جغرافیائی وحدت کو پارہ پارہ نہیں ہونے دیں گے۔ حقِ خودارادیت کا مطالبہ ہم جموں کشمیر کی مسلم آبادی کے لیے ہی نہیں کرتے ہیں جموں کشمیر کے ہر پشتنی باشندے کے لیے ہم اس جائز حق کا مطالبہ کرتے ہیں اور استصواب رائے عامہ کے ذریعے جو بھی عوام کا فیصلہ ہوگا ہم اُس کو قبول کریں گے۔

آزادی برائے اسلام کا نعرہ سن کر ہمارے غیر مسلم بھائی کسی خدشے اور اندیشے کا شکار نہ ہو جائیں۔ اسلام انسانی رشتوں کی حفاظت کا سب سے بڑا حامی اور ضامن ہے اور عدل وانصاف، مساوات اور وحدتِ آدم، اسلام کے معروف خدوخال ہیں۔ اسلام جبرو

اکراہ کی کسی حال میں اجازت نہیں دیتا۔ وہ انسانوں کے درمیان بھائی چارہ اور نیک ہمسائیوں کی طرح رہنے کا سب سے بڑا داعی اور علمبردار ہے۔ لادین سیاست سے ہم اس لیے اپنے آپ کو بھی اور انسانی برادری کو بھی بچے رہنا چاہتے ہیں کہ اس میں سیاست کی بنیاد الحاد پر ہے اور اس میں انسانیت کی کوئی پاسداری اور احترام نہیں ہے۔ لادین نظام انسان کو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے سیاسی مقاصد کے لیے تر نوالہ بنانا چاہتا ہے جیسا کہ اس وقت ہم پوری دنیا میں اور خاص طور اس متنازعہ خطے میں دیکھ رہے ہیں۔

عید الاضحیٰ کے اس مقدس دن پر ہم تمام شہداء کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ جیلوں میں مصائب اور اذیتیں برداشت کرنے والوں کے ساتھ دلی ہمدردی رکھتے ہیں اور اپنی استطاعت کے مطابق اُن کے کیسوں کی پیروی کر کے اُن کی باعزت رہائی کی کوششوں کو بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ تمام ایام تشریق میں اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگی جائیں۔

اللّٰھُمَّ نجنّا من القوم الظالمین، ونجنا برحمتک من القوم الکافرین

اللہ ہمارا حامی وناصر ہو

و آخر دعوانا عن الحمد اللہ رب العالمین

SAiRA ABBASi

27 نومبر 2009ء کو ڈوروسو پور میں جمعہ خطاب

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایمان پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا!

آج کے دن کے حوالے سے ہمارے لیے وہ پیغام بہت ہی اہمیت کا حامل ہے جو کل میدان عرفات میں مسجد نمرہ کے منبر سے امام کعبہ الشیخ عبدالعزیز نے اپنے خطاب میں امت مسلمہ کے لیے دے دیا ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اسلام کے خلاف عالمی سطح پر سازشوں کا جال بُنا گیا ہے۔ اسلام کو غلط رنگ میں پیش کر کے بدنام کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ اسلام کے خلاف تہمتیں لگائی جارہی ہیں۔ ایسی صورتحال میں تمام مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے تحفظ، اس کی بقا، اس کے غلبہ اور اس کی اشاعت کے لیے منظّم ہو کر اٹھ کھڑے ہوں اور اسلام کو اپنی اصل شکل میں دنیا کے سامنے لانے کیلئے اپنی سیرتوں کو اس سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ یہ پہلی بات ہے جو میں عیدالاضحیٰ کے اس مبارک موقعے پر آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ یہ عیدالاضحیٰ ہے۔ یہ خون بہانے کا دن ہے۔ قربانی کا دن ہے۔ پاکباز صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس دن اور اس میں قربانی کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''سُنَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ'' یعنی ہمارے جدّ

بزرگوار حضرت ابراہیمؑ کی سُنت ہے۔ اس میں ہم بظاہر جانور کی قربانی کرتے ہیں۔ لیکن یہ محض ایک جانور کی قربانی نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ ایک علامت ہے۔ علامت اس چیز کی کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اشارہ کیا کہ وہ اپنی چہیتی اولاد کو اللہ کی خوشنودی کے لیے قربان کریں تو وہ اللہ کا بندہ بلا تامل اس کے لیے تیار ہو گیا۔ اپنے بیٹے کو لٹایا اور اس کے گلے پر چھری پھیرنے کی کوشش کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ”آپ نے خواب سچ کر دکھایا اور آپ امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ ہمیں اسمٰعیلؑ کا خون مطلوب نہیں تھا بلکہ ہم آپ کے یقین، ایمان اور دعویٰ کا امتحان کرنا چاہتے تھے اور آپ اس میں پورے اتر گئے“۔

لہٰذا آج کے دن ہم جو قربانی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اس کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا ہے۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ ۚ

”نہ اُن کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون، مگر اُسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔“

(الحج: ۳۷)

اللہ تعالیٰ آپ کے یقین کو پرکھنا چاہتا ہے، آپ کے عزم کا امتحان لینا چاہتا ہے اور آپ کے دعوائے ایمانی کو کسوٹی پر پرکھنا چاہتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ رسول رحمت ﷺ سے مخاطب ہیں کہ آپ ﷺ اعلان کر دیجیے کہ

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾

(الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

ترجمہ: ”کہو، میری نماز، میرے تمام مراسمِ عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سرِ اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔“

لہٰذا سارے مسلمانوں اور بالخصوص مسلمانانِ جموں کشمیر (جن تک بات پہنچانے کے ہم مکلّف ہیں) کے لیے بھی ہمارا یہی پیغام ہے کہ ہماری زندگی کا مقصد اور مشن صرف اور صرف اسلام سے ہی وابستہ ہونا چاہیے۔ دنیا میں بہت سارے ازم اور نظریات لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ سیکولرازم، سوشلزم، کمیونزم، وطنیت، شکم پرستی، شراب خوری، فحاشی، عریانی، شخص پرستی۔ غرض ہر طرح کے طرزِ زندگی آپ کو اپنی طرف بلاتے ہیں لیکن ہمیں بحیثیت مسلمان ان سب کو رد کر دینا چاہیے اور ہمیں صرف ایک آواز اور ایک دعوت پر کان دھرنا چاہیے۔ وہ اللہ کی بندگی کی دعوت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی دعوت ہے۔ ہمیں اسلام کو بحیثیت نظامِ زندگی قبول کر لینا چاہیے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی گذارنے کا عزم کر لینا چاہیے۔ اسلام کے بارے میں بہت لوگ باتیں کرتے ہیں۔ نماز بھی پڑھتے ہیں، روزہ بھی رکھتے ہیں اور قربانی بھی کرتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہی لوگ باطل نظریات کو بھی اپناتے ہیں۔ سوشلزم کا سپورٹ بھی کرتے ہیں۔ سیکولرازم کے بھی گیت گاتے ہیں، کمیونزم کی بھی تعریفیں کرتے ہیں۔ ظلم اور جبر کا ساتھ دیتے ہیں، سودی لین دین کرتے ہیں، شراب کا کاروبار کرتے ہیں، فحاشی اور عریانی کو بڑھاوا دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ نماز پڑھنے والے بھی ہوتے ہیں اور مسلمان ہونے کا بڑا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ ایسے مسلمانوں میں نفاق پیدا ہو گیا ہے اور وہ دنیا کے باطل نظریات کا سپورٹ کرنے والے بن گئے ہیں۔

ہماری دعوت ہے اور مسلمانوں کے لیے ہمارا یہ پیغام ہے کہ ان تمام جھوٹے ازموں کو ترک کریں۔ ہمارے درمیان میں اور خصوصاً ہمارے گھروں میں کوئی باطل نظاموں کا پرستار باقی نہ رہے، کوئی سود خوار، شرابی، زانی، بے حیائی اور بے شرمی کو فروغ دینے والا اور ظلم و جبر کا کوئی ساجھی ہمارے درمیان میں موجود نہ رہے۔ یہ ہے ہمارا پیغام، جس پر تمام مسلمانوں کو ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کر لینا چاہیئے۔ ہم کسی کو زبردستی اپنے ساتھ نہیں جوڑتے ہیں۔ لا

اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنَ ''دین میں کوئی جبر نہیں ہے''۔ ہم سوچ و بچار کی دعوت دیتے ہیں، غور وفکر کی طرف بلاتے ہیں۔ مسلمانوں کو ہماری دعوت پر سوچنا چاہیے کہ ہم جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کیا اس کے پیچھے کوئی دلیل بھی ہے۔ ہم اپنے دعویٰ میں سچے ہیں یا ہم یونہی جھوٹ موٹ کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہم میں کہیں نفاق تو وارد نہیں ہوا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس دوعملی کو دور کیا جانا چاہیے۔ جب تک ہم اللہ کے لیے یکسو اور یک رُخ نہیں ہو جاتے، اُس کی رحمت کے مستحق نہیں بنیں گے۔ اس کی مدد اور نصرت کی امید نہیں کر سکتے ہیں اور نہ ہمیں غلامی کی لعنت سے نجات مل سکتی ہے۔ یہ پہلی بات ہے جو میں آپ تک آج کے دن پہنچانا چاہتا ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک طاقتور ہمسایہ ملک نے ہم کو فوجی طاقت کے بل بوتے پر غلام بنالیا ہے۔ اس ملک کے قدآور لیڈروں نے ۱۹۴۷ء میں ہمارے ساتھ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر جو وعدے کیے تھے، وہ ان سے پھر گئے۔ انہوں نے ہمارے ساتھ وعدہ خلافی کی اور اپنی فوجوں کو واپس نہیں بلایا۔ یہ ملک اور اس کے فوجی ہمارے گھروں میں ہمارے سینوں پر مونگ دل رہے ہیں۔ بھارت کی آٹھ لاکھ افواج یہاں پر تعینات ہیں جس نے ہمارے ۲۷ لاکھ ۶۰ ہزار اور ۱۴۲ کنال زمینوں پر فوجی کیمپ اور چھاونیاں تعمیر کی ہیں۔ اگر ہم غفلت کی نیند سے بیدار نہیں ہوئے تو آنے والے زمانے میں نہ ہمارے قبرستان محفوظ ہونگے۔ نہ ہماری جنازہ گاہیں باقی رہیں گی، نہ ہمارے عیدگاہ باقی رہیں گے اور نہ کھیل کے میدانوں کا کہیں نام ونشان ہوگا۔ ہمیں اپنے ہی ملک میں رہنے، بسنے کے لیے جگہ نہیں ملے گی۔ ہمارا حال فلسطین جیسا ہوگا، جہاں چالیس لاکھ انسان اپنے وطن سے بے وطن ہو کر مہاجرت کی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔ اسرائیل نے طاقت کے بل بوتے پر ان کی زمینوں کو ہڑپ کرلیا ہے، انکی بستیوں پر قبضہ کرلیا ہے اور ان کو اپنے گھروں سے بے دخل کر دیا ہے۔ بھارت بھی برابر اسی پالیسی پر عمل کر رہا ہے۔ وہ اسرائیلی طرز پر کشمیریوں کو کشمیر سے باہر دھکیلنا

چاہتا ہے۔ وہ یہاں مسلمانوں کی شناخت ختم کر کے اپنے کلچر اور اپنی تہذیب کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ یہ کھلی ہوئی جارحیت ہے جس کے خلاف ہم جدوجہد کر رہے ہیں۔ ہماری جدوجہد کامل طور پر پرامن جدوجہد ہے۔ ہم کسی بھی طرح کی اشتعال انگیزی سے کام نہیں لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم کوئی اشتعال انگیز نعرہ دینے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ ہمیں دنیا کو بہرحال یہ پیغام پہنچا دینا چاہیے کہ ہم ایک کمزور قوم ہیں۔ ہمارے پاس کوئی مادی طاقت نہیں ہے۔ ہم بندوقوں اور باقی اسلحہ سے لیس نہیں ہیں۔ ہم صرف اللہ کے بھروسے پر اپنا حق مانگتے ہیں اور اُسی کی مدد کے ہم منتظر ہیں۔ بھارت اور اس کے مقامی ایجنٹ ہمیں امن مخالف مشہور کرنے کے درپے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کسی کو امن میں خلل ڈالنے کی اجازت نہیں دینگے۔ میں اُن سے کہتا ہوں کہ امن ہم نہیں تم لوگ بگاڑ دیتے ہو۔ لوگوں کو تم قتل کرتے ہو، بستیوں کو آگ تم لگاتے ہو۔ ہمارے نوجوانوں کو انٹروگیشن سینٹروں میں تم ناکارہ بناتے ہو۔ ہماری عزتوں اور عصمتوں کو پامال تم کرواتے ہو۔ شوپیاں کے واقعے کو یاد کیجئے۔ کنن پوش پورہ کے سانحہ کو ذہن میں تازہ کیجئے۔ بدراپائین کی مظلوم بہنوں کی حالت زار پر غور کیجئے۔ تابندہ غنی کو یاد کیجئے۔ صورہ انسٹچیوٹ جا کر تیرہ سالہ عارف احمد کی خبر لیجئے جو اس وقت بھی وہاں موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اُس نے کوئی بندوق نہیں اٹھائی تھی۔ یاد کیجئے کہ سجاد احمد گنائی گنہ پورہ کپوارہ کو کس بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا۔ الغرض امن بگاڑنے والے یہی لوگ ہیں اور الٹا الزام ہم پر دھرتے ہیں۔ لیکن ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم کسی بھی طور امن کے دشمن نہیں ہیں۔ ہم صرف اپنا پیدائشی حق مانگتے ہیں۔ ہم ایک جائز مانگ لیکر اٹھے ہیں اور ہمیں امن دشمن لیبل لگانا کسی بھی طور منصفانہ بات نہیں ہے۔ بھارت کے وزیر اعظم مسٹر منموہن سنگھ نے امریکہ جاتے ہوئے جو یہ بیان دیا ہے کہ جموں کشمیر میں سرحدوں کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ایک غیر حقیقت پسندانہ بات ہے۔ میں بھارتی وزیر اعظم تک یہ پیغام

پہنچادینا چاہتا ہوں کہ آپ کا یہ بیان بلا جواز ہے۔ کشمیر ایک متنازعہ علاقہ ہے اور کسی بھی متنازعہ خطے کی سرحدیں دائمی اور حتمی نہیں ہوتی ہیں۔ ان کو اس وقت تبدیل ہونا ہی ہوتا ہے جب وہاں کے لوگ اپنے مستقبل کا تعین کرنے کے لیے فیصلہ سازی میں شریک کئے جاتے ہیں۔ بھارت نے پچھلے ۶۲ سال کے دوران میں ہمیں فیصلہ کرنے کا موقع نہیں دیا ہے۔ جموں کشمیر کا پورا علاقہ متنازعہ ہے اور عالمی برادری اس پر گواہ ہے۔ بھارت کے اس حوالے سے تمام تر دعوے غلط اور جھوٹ کے پلندہ ہیں اور ان کی بنیاد بھارت کی اندھی طاقت کے سوا کسی بھی چیز پر استوار نہیں ہے۔ لیکن ہم بھارت والوں پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اندھی طاقت کی بنیاد پر حقیقت کا کوئی اصول تبدیل نہیں ہوسکتا ہے۔ جموں کشمیر کے ایک کروڑ تیس لاکھ لوگوں کو جب تک حقِ خود ارادیت کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا ہے۔ امن کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا ہے اور ہماری جدوجہد حصول مقصد تک ہر حال میں جاری رہے گی۔ بھارت ہماری پُرامن جدوجہد کو طاقت کے بل پر دبانا چاہتا ہے۔ ہماری بستیوں کی ناکہ بندی کی جاتی ہے۔ ہمیں گھروں سے باہر آنے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔ ہمارے لیڈروں اور کارکنوں کی زندگیاں اجیرن بنادی گئی ہیں۔ ان کا پولیس کے ذریعے متواتر پیچھا کروایا جاتا ہے اور ان کو ایک جگہ ٹکنے کا موقع نہیں دیا جاتا ہے۔ انکو گرفتار کرکے دور دراز کی جیلوں میں پابند سلاسل بنایا جاتا ہے۔ اُن پر بار بار کالے قانون پبلک سیفٹی ایکٹ (PSA) کا اطلاق کیا جاتا ہے اور جیل خانوں میں ان کے ساتھ انسانیت سوز سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ ہماری گردنوں پر مسلط بھارتی فوج نے یہاں عام لوگوں کا جینا بھی حرام کر رکھا ہے۔ قابض فوج نے اب گاؤں، دیہات میں جاکر لوگوں کو ڈرانا دھمکانا اور ہراساں کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ وہ لوگوں کو دھمکیاں دیتے ہیں کہ اگر انہوں نے گیلانی کا ساتھ دیا تو انہیں سنگین نتائج بھگتنا پڑینگے۔ یہاں اور لوگ بھی آزادی کی بات کرتے ہیں لیکن ان کے ساتھ کوئی

تعرض نہیں کیا جاتا ہے۔ ان کو ہر جگہ جانے کی کھلی چھوٹ ہے۔ پابندیاں صرف ہم پر عائد کی جاتی ہیں۔ ہمارے بانی امیر جماعت اسلامی سعد الدینؒ صاحب کا ایک شعر ہے کہ ”کون کہتا نہیں خدا کو خدا...... ہم نے جب کہہ دیا تو سزا پائی“ میں اپنی طرف سے معذرت کے ساتھ اس شعر میں تھوڑی بہت ترمیم کر کے کہتا ہوں کہ ”کون کہتا نہیں آزادی...... ہم نے جب کہا تو سزا پائی“۔ آزادی کا نعرہ تو بہت لوگ دیتے ہیں۔ وہ دنیا بھر کی سیر و تفریح کرتے رہتے ہیں۔ ان پر کوئی پبلک سیفٹی ایکٹ نہیں لگایا جاتا ہے۔ انہیں گرفتار نہیں کیا جاتا ہے اور ان پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاتی ہے۔ آخر یہ سارے مصائب ہمارے ہی حصے میں کیوں آتے ہیں۔ یہ بجلیاں ہم ہی پر کیوں گرائی جاتی ہیں۔ کیونکہ ہم صرف آزادی کی ہی بات نہیں کرتے ہیں۔ ہم آزادی برائے اسلام کا نعرہ دیتے ہیں۔ ہماری جدوجہد کی منزل واضح ہے۔ اس میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ ہم سیکولرازم کی بات نہیں کرتے ہیں۔ ہم ہاتھوں کی نہیں نظام کی تبدیلی چاہتے ہیں۔ ہم ظالمانہ نظام کے بجائے اسلام کا عادلانہ نظام لانا چاہتے ہیں۔ اس بات کے لیے اگر ساری دنیا بھی ہماری مخالف ہو جاتی ہے تب بھی ہم اس مقصد کو ترک نہیں کر سکتے ہیں۔ ہماری جدوجہد کا محور صرف اسلام کے غلبے سے عبارت ہے اور اس کے لیے ہماری نئی نسل کو آگے آنا ہوگا۔ میں نے کشمیر یونیورسٹی میں بھی اپنے جگر گوشوں سے مخاطب ہوتے ہوئے یہی بات کہی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ آپ کے بعد اس جدوجہد کی راہنمائی کون کرے گا۔ میں نے ان سے کہا کہ ”میرے بعد آپ کو یہ کام سنبھالنا ہوگا۔ یہ جدوجہد آگے لے جانا ہوگی۔ اس مقصد کے لیے تم اپنے آپ کو تیار کر لو۔ اپنی سیرتوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھال لو۔ اولیاء کرامؒ کی زندگیوں سے درس لے لو۔ اُن کی قبروں کا طواف کرنے سے اُن کا حق ادا نہیں ہوتا ہے۔ اُن کا حق جب ہی ادا ہوگا جب آپ اُن کی سیرتوں کو اپنے لیے نمونہ عمل بناؤ گے۔ ان ہی کی طرح دین کے غلبے کو اپنی زندگیوں کا مقصد بنالو۔ اسی پیغام

کو عام کرنا میری زندگی کا مشن ہے اور مجھے امید ہے کہ ہماری نوجوان نسل میرے بعد بھی اس مشن کو آگے بڑھانے کے لیے برسرِ جدوجہد رہیگی۔ ہمیں کسی بھی حال میں ظلم کے آگے جھکنا نہیں چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو جو چیز سب سے زیادہ ناپسند ہے وہ ظلم ہے۔ قرآن پاک میں تین مقامات پر ظالموں پر لعنت کی گئی ہے۔ سورہ ہود میں آیا ہے کہ ”

......اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ہ اَلَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ہ (الہود، ۱۸، ۱۹)

”سُنو خدا کی لعنت ہے ظالموں پر...... اُن ظالموں پر جو خدا کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں، اس کے راستے کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔“

ہم اسی ظلم کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ لہٰذا میں بغیر کسی ابہام کے یہ بات کہوں گا کہ ہماری جدوجہد خالصتاً اللہ کی عبادت ہے۔ ہمارا اس جدوجہد میں وقت صرف کرنا بعینہ اسی طرح کی عبادت ہے جس طرح ہم نے مسجد میں نماز پڑھ کر عبادت کی ہے۔ ظلم کو ظلم کہہ کر اس کے خلاف جدوجہد کرنے کو افضل ترین جہاد اور احسن ترین عبادت قرار دیا گیا ہے۔

تیسری بات جس کی طرف ہم لوگوں کو بلاتے ہیں وہ اتحادِ ملت کے لیے کوشش کرنا ہے۔ آج کی تاریخ میں یہ بات بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے جس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کو تقسیم کیا گیا ہے۔ سیاسی سطح پر اس کو تقسیم کیا گیا ہے۔ یہی مسلمان بھی ہے، کمیونسٹ بھی یہی ہے، سوشلسٹ بھی یہی ہے اور وطن پرست بھی یہی ہے۔ یہ ایک طرح کی تقسیم ہے۔ دوسری تقسیم مذہبی اور مسلکی قسم کی تقسیم ہے۔ کوئی حنفی ہے تو کوئی شافعی، کوئی حنبلی ہے تو کوئی مالکی، کوئی دیوبندی ہے تو کوئی بریلوی، کوئی مقلد ہے اور کوئی غیر مقلد۔ یہ دوسری قسم کی تقسیم ہے جس کے ذریعے سے مسلمانوں کو مختلف اور منتشر خانوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ ہماری دعوت

ہے کہ ہم ان تمام تر حد بندیوں سے اوپر اٹھ کر ایک امت ہونے کا احساس اجاگر کریں۔ اس تقسیم کو قبول نہ کریں۔ ہم میں سے جو بھی لَا اِلٰــہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھنے والا ہو۔ اسوۂ حسنہ ﷺ کو زندگی گذارنے کی حتمی سند مانتا ہو، وہ بہر صورت مسلمان ہے اور اسلام کے دائرے میں داخل ہے۔ لیکن اسلام جس چیز سے اپنے ماننے والوں کو روکتا ہے وہ نفاق اور دورُخی ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ مسلمان لادین سیاست چلانے والوں کی صفوں میں شامل ہو۔ وہ ان کو ووٹ دیتا ہو، سپورٹ دیتا ہو، سخنے، درمے یا کسی اور طرح ان کی مدد کرتا ہو۔ ہماری دعوت ہے کہ مسلمان اس نفاق کو اپنی زندگیوں سے دور کریں۔ تحریک حریت جموں و کشمیر کے یہی تین اہداف ہیں اور ہمیں چاہیے کہ ذہنی یکسوئی کے ساتھ ان تین اہداف کو آگے بڑھانے کی سعی و جہد کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

SAiRA ABBASi

۲۸ ر نومبر ۲۰۰۹ء عیدالاضحیٰ
کے موقعے پر سوپور جامع مسجد میں خطاب

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ٥

اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥
قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ لَا
شَرِيْكَ لَهٗ ج وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ

چنیں دور آسماں کم دیدہ باشد
کہ جبریلِ امیںؑ را دل خراشد

چہ خوش دَیرے بنا کردند آنجا
پرستد مؤمن و کافر تراشد

عیدالفطر کے دن بھی مجھے اپنے گھر میں محصور رکھ کر باہر سے تالا چڑھایا گیا تھا اور آج بھی ان کی نیت ٹھیک نہیں تھی۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی تدابیر کے سامنے باطل قوتوں کی کوئی بھی چال بارآور نہیں ہوسکتی ہے۔ اللہ جل شانہٗ سورہ ابراہیم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللهِ مَكْرُهُمْ ط وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ٥

(ابراھیم، ۴۶)

''انہوں نے اپنی ساری ہی چالیں چل دیکھیں، مگر اُن کی ہر چال کا توڑ اللہ کے پاس تھا اگر چہ اُن کی چالیں ایسی غضب کی تھیں کہ پہاڑ اُن سے ٹل جائیں۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو انتباہ دیتے اور خبر دار کرتے ہیں کہ باطل کی چالوں سے بے پرواہ نہیں ہونا چاہیے اور ان کو سہل انگاری سے نہیں لینا چاہیے۔ باطل کی چالیں بہت خطرناک ہوتی ہیں اور ان چالوں کا وہی لوگ مقابلہ کر سکتے ہین جن کو اللہ کی مدد اور نصرت نصیب ہوتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب راہنمائی کرتی ہو اور اسوۂ رسول ﷺ انکی ہدایت کا سر چشمہ ہو۔ بس یہی ایک قوت ہے جو باطل کی چالوں کو ناکام بناتی ہے۔ غلام قوموں کے لیے ویسے کوئی عید نہیں ہوتی ہے، جب تک کہ وہ غلامی کی زنجیروں سے آزاد نہیں ہوتے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری قوم کا احساسِ غلامی روز بروز زیادہ گہرا ہو جانا چاہیے۔ شدید تر ہو جانا چاہیے تب ہی ہم اس لعنت سے نجات پانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرینگے۔ آج کی تاریخ میں عید مبارک کا لفظ ہماری صورتحال کے ساتھ زیادہ میل نہیں کھاتا ہے۔ یہ تب تک ایک رسمی مبارک کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ جب تک ہم بھارت کی غلامی سے نجات حاصل نہیں کرتے۔ یہ جو ہمارا احساسِ غلامی ہے یہ ہر آنے والے دن کے ساتھ اور بھی زیادہ گہرا ہونا چاہیے۔ فی الحال ہمارا یہ احساس بہت حد تک ختم ہو گیا ہے۔ بقولِ اقبالؒ

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

یعنی افسوس اور غم یہ ہے کہ ملّت کے پاس جو متاع اور سامان تھا، وہ اب موجود نہیں رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کو دنیا میں سیاسی فتح دلائی تھی، اخلاقی سطح پر غلبہ عطا کیا تھا۔ وہ نظم وضبط اور ڈسپلن کے پابند تھے۔ وہ امانت و دیانت، شرم وحیا اور پاکبازی کے پیکر تھے۔ ان کے بڑے اپنے چھوٹوں کے ساتھ شفقت اور انکے چھوٹے اپنے بڑوں کے

ساتھ عزت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ غیر مسلم تک ان کی بلندیٔ اخلاق کے معترف تھے اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔ اب کے یہ سارا سرمایہ ہم نے کھو دیا ہے... وائے ناکامی متاعِ کارِ رواں جاتا رہا۔ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اس کارِ رواں کو جو فضیلتیں اللہ نے نصیب کی ہوئی تھیں وہ ایک ایک کر کے اب ختم ہوگئی ہیں۔ لیکن اس سے بڑھ کر المیہ یہ ہے کہ ’’کارِ رواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا‘‘۔ یعنی اصل غم اس بات کا ہے کہ اس نقصان کا احساس کارِ رواں کے دل سے ختم ہوگیا ہے۔ جب نقصان ہونے کا احساس مٹ جاتا ہے تو پھر نقصان کی تلافی ہونا ممکن نہیں رہتا ہے۔ آپ میں سے اگر کسی کا روپیہ پیسہ کھو جاتا ہے، تو پھر وہ اس کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔ وہ اس کو پانے کے لیے ہر ممکن طریقے سے کوشش کرتا ہے اور یہ کوشش تب شروع ہو جاتی ہے جب نقصان کا احساس اس کے دل میں اُجاگر ہو جاتا ہے۔ آج کا مسلمان جو ہے، اس کا یہ احساسِ زیاں ختم ہو چکا ہے۔ یہ ہماری بات نہیں بلکہ کلمہ پڑھنے والا اس نیلے فلک کے نیچے جہاں بھی رہتا بستا ہے اُس کی یہی حالت ہوگئی ہے۔ دنیا کے ستاون ممالک میں مسلمانوں کی اپنی حکومتیں ہیں۔ دنیا کی آبادی میں وہ ایک تہائی کے برابر ہیں لیکن یہ احساس کہیں پر بھی زندہ نظر نہیں آتا ہے۔ میں امام کعبہ کو اُس اہم خطبے کے لیے مبارکباد پیش کرتا ہوں جو انہوں نے کل حج کے بین الاقوامی اجتماع کے موقعے پر میدانِ عرفات میں پیش کیا۔ اس خطبے میں موصوف نے اسی احساس کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ بیدار کرنے کی سعی کی ہے۔ تیس لاکھ حاجیوں کے اس اجتماع میں امام صاحب نے فرمایا کہ ’’اسلام عالمی سطح کی سازشوں کے نرغے میں آگیا ہے۔ امّت پر فرض عائد ہو چکا ہے کہ وہ ان سازشوں کو سمجھے، ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی تیاری کرے اور ان کو ناکام بنانے کی کوشش کرے۔ اب سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ ان سازشوں کا مقابلہ کس طرح کیا جائے اور ان کو کس طرح ناکام بنایا جائے، تو اس سلسلے میں یہ بات طے ہے کہ ان سازشوں کو تب تک ناکام نہیں

بنایا جاسکتا، جب تک کہ مسلمان اللہ کی بندگی کی راہ اختیار نہیں کرتے، قرآن کی طرف رجوع نہیں کرتے اور ساری سیادتوں سے منہ موڑ کر صرف رسول رحمت ﷺ کی قیادت کو قبول نہیں کرتے۔ یہ نجات پانے کی واحد راہ ہے اور اس کے بغیر کوئی سبیل نہیں ہے۔ عیدالاضحیٰ کے اس مبارک موقعے پر ہمیں یہ احساس کر لینا چاہیے کہ کوئی قیمتی شئے ہے جو ہم کھو چکے ہیں اور جس کی بازیابی کے لیے ہمیں کوشش کرنی ہے۔ ہمیں اسلام کے خلاف رچائی جارہی سازشوں کا مقابلہ کرنا ہے اور انہیں ہر صورت میں ناکام بنانا ہے۔ اسلام کو آج دہشت گردی کا الزام دیا جاتا ہے اور یہ الزام ان لوگوں کی طرف سے دیا جاتا ہے جن کے مظالم سے انسانیت کانپ اٹھی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ۱۹۴۵ء میں جاپان کے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر کروڑوں انسانوں کا خون کر دیا۔ جنہوں نے ۲۳ مارچ ۲۰۰۳ء میں عراق پر یہ کہہ کر فوج کشی کی کہ یہ ملک عام تباہی کے ہتھیار تیار کرنے میں مصروف ہے لیکن پچھلے چھ سال کی تلاش کے دوران میں اس طرح کا کوئی بھی ہتھیار وہاں سے برآمد نہیں ہوسکا۔ یہ کھلی ہوئی جارحیت تھی جس کا مقصد عراق پر حملہ کر کے علاقے میں اپنی بالادستی قائم کرنا تھی۔ اس جارحیت کے نتیجے میں آج تک لاکھوں انسانوں کا خون بہایا گیا اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ آج کی تاریخ میں اس ملک کا سربراہ اعلاناً تسلیم کرتا ہے کہ ''ہماری انٹلی جنس ایجنسیوں کی اس حوالے سے جو اطلاعات تھیں، وہ سراسر غلط اور بے بنیاد تھیں۔ وہاں سے کوئی بھی قابل اعتراض چیز برآمد نہیں ہوئی''۔ لیکن اس اعتراف کے باوجود بھی اس ملک میں حملہ آوروں کی جارحیت برابر جاری ہے اور آج بھی معصوم عراقیوں کو خاک اور خون میں نہلایا جارہا ہے۔ دس لاکھ عراقی آج بھی اپنے وطن سے دور مہاجرت کی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔ وہ خاتون جو افغانستان میں طالبان کی حراست میں رہی اور ان کی اخلاقی بلندی سے متاثر ہو کر رہا ہونے کے بعد اسلام قبول کر چکی ہے نے لکھا ہے کہ امریکی جارحیت کے نتیجے

میں آج تک دس لاکھ عراقی شہید ہو گئے ہیں اور دس لاکھ اپنے وطن سے بے وطن کر دیے گئے ہیں۔ موصوفہ نے ابوغریب اور گونتاناموبے جیل میں قیدیوں کی حالت زار کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ”یہاں زندہ انسانوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک روا رکھا جارہا ہے۔ اس ساری دہشت گردی کے ذمہ دار لوگ اسلام کو دہشت گردی کا مذہب ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ اس منفی پروپیگنڈے کے ذریعے سے اپنے کالے کرتوتوں پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ اپنی سرکاری دہشت گردی کو امن مساعی کے جامے میں چھپانا چاہتے ہیں۔ ۱۶ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو ان لوگوں نے افغانستان پر یلغار کر دی۔ افغانیوں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ وہاں ایک باضابطہ حکومت قائم تھی جس نے مقابلتاً وہاں امن، انصاف اور عدل کا نظام قائم کر دیا تھا۔ منشیات پر روگ لگائی تھی اور جرائم کا قلع قمع کر دیا تھا۔ کئی اہل مغرب بھی اس حکومت کی اچھائیوں کا اعتراف کر چکے تھے۔ ملک کے زیادہ تر حصے میں امن وامان کا دور دورہ تھا اور سب سے بڑھ کر اس ملک کے اپنے ہمسائیوں خصوصاً پاکستان کے ساتھ تعلقات خوشگوار بن گئے تھے۔ مگر افسوس، امریکہ نے کھلی جارحیت کا مظاہرہ کر کے اس ملک کو تاخت وتاراج کر دیا۔ اس حکومت کا ایک ہی جُرم تھا کہ اس نے اسامہ بن لادن نامی ایک شخص کو اپنے ملک میں پناہ دے رکھی تھی جس کو حملے کے لیے بنیاد بنایا گیا۔ ۱۱/۹ میں اگر معصوم لوگ مارے جاتے ہیں تو ہمیں اس کا بے حد افسوس ہے۔ ہم اس کو دہشت گردی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم اس کی تائید نہیں کرتے ہیں اور اس کو جائز نہیں مانتے ہیں (اگر چہ 75 سے زیادہ امریکی سائنسدان یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ ۱۱/۹ کی کارروائی پینٹاگون کی اندرونی کارروائی ہے)۔ مگر اس کے جواب میں افغانستان پر حملہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ یہ ۱۱/۹ سے بھی بدترین قسم کی دہشت گردی تھی جس کا امریکہ نے ارتکاب کیا۔ میں نے اس وقت بھی یہ بات کہی تھی۔ میں متحدہ حریت کانفرنس کے چیرمین کی حیثیت سے دہلی دفتر میں تھا کہ

امریکی سفارت خانے کی فسٹ سیکریٹری میرے پاس آئی اور ۹/۱۱ کے بارے میں استفسار کیا۔ میں نے کہا کہ یہ دہشت گردی ہے۔ اس نے افغانستان پر حملے کے بارے میں پوچھا تو میں نے جواب دیا کہ ''یہ بدترین قسم کی دہشت گردی ہے''۔ میں نے کہا کہ وہ دہشت گردی زیادہ سنگین اور تباہ کن ہوتی ہے جس کے پیچھے ریاست (state) کی طاقت ہوتی ہے۔ چنانچہ بھارت بھی اس طرح کی دہشت گردی میں ملوث ہے جو جموں کشمیر میں ریاستی طاقت کا استعمال کر کے کشمیریوں کے پیدائشی حقوق پر شب وخون مار رہا ہے۔ جس طرح امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے عراق اور افغانستان پر حملہ کر کے کھلی جارحیت کا مظاہرہ کیا۔ بعینہٖ اس طرح بھارت نے بھی کشمیر پر فوج کشی کر کے یہاں کے لوگوں کی آزادی کو سلب کیا ہوا ہے اور طاقت کے بل بوتے پر وہ یہاں ہمارے سینوں پر مونگ دل رہا ہے۔ اسی قبیل کے لوگ اسلام اور مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام تھونپتے ہیں۔ امام کعبہ نے کل جو یہ بات کہی ہے کہ ''اسلام امن کا ہم معنی ہے اور وہ تمام انسانوں کی سلامتی چاہتا ہے''۔ ہم اس کی حرف بہ حرف تائید کرتے ہیں۔ یہ پیغام قرآن وسنت کی تعبیر کے عین مطابق ہے اور اس میں شک وشبے کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ اسلام حقیقی معنوں میں دنیا کو زیادہ پرامن اور محفوظ بنانا چاہتا ہے۔ وہ انسانوں کو مظالم سے نجات دلا کر عدل اور انصاف قائم کرنا چاہتا ہے اور ان کو دنیا کی تنگیوں سے نکال کر اس کی وسعتوں کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ اسلام اخلاقیات کا درس دیتا ہے اور اعلیٰ انسانی قدروں پر استوار ایک نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام دنیا میں فساد قائم کرنے کا روادار نہیں ہے۔ اصل فسادی تو وہی لوگ ہیں جو ریاستی طاقت کا استعمال کر کے لوگوں کے حقوق پر شب وخون مارتے ہیں ان کی آزادی اُن سے چھینتے ہیں اور ان کو فوجی طاقت کے بل بوتے پر اپنا غلام بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔ جموں کشمیر کی گذشتہ سٹھ سالہ تاریخ پر نظر دوڑایئے، بھارت نے ۱۹۴۷ء میں یہاں اپنا فوجی قبضہ جمایا اس کے بعد اکتوبر،

نومبر ۱۹۴۷ء میں صرف جموں میں ڈھائی سے تین لاکھ لوگوں کو شہید کر ڈالا (اگر چہ بعض لوگ اس تعداد کو پانچ لاکھ تک بھی بیان کرتے ہیں)۔ پندرہ لاکھ کے قریب لوگوں کو یہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ یہی بھارت آج دنیا میں امن کا علمبردار ہونے کا دم بھرتا ہے۔ وہ جموں کشمیر میں امن قائم کرنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے، لیکن میں آپ کو واشگاف الفاظ میں بتادوں کہ بھارت کے یہ دعاوی بے بنیاد اور کھوکھلے ہیں۔ امن کی بات کرنے سے اس کا مطلب یہ ہے کہ کشمیری اس کی غلامی پر قناعت کریں۔ اس کے غاصبانہ قبضے کے خلاف آواز نہ اٹھائیں۔ اس کے جبر وتشدد کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرتے رہیں۔ کوئی یہاں سر اُٹھا کر نہ چلے۔ جنسی اسکینڈل دیکھے تو چُپ رہے۔ بے شرمی اور بے حیائی کو پائے تو زبان پر لگام لگائے۔ گجرات میں مسلمانوں کا قتل عام ہو تو یہاں کا مسلمان اُف تک نہ کرے۔ بابری مسجد کو شہید کیا جائے تو اس کے ماتھے پر بل نہ آنے پائے۔ صرف کانگریسی دور میں بھارت میں چالیس ہزار مسلم کش فسادات رونما ہوں تو وہ پھر بھی اس ملک کو سیکولر ملک مانتا رہے۔ بھارتی فوج جموں کشمیر میں تقریباً ۲۸ لاکھ کنال زمین پر فوجی کیمپ اور چھاونیاں تعمیر کرے، تو یہاں کا باشندہ زبان پر قُفل چڑھائے۔ ہمارے معصوموں کا قتل عام ہوتا رہے تو وہ تماشہ بین کی طرح دیکھتا رہے۔ ہماری عزتوں اور عصمتوں کو پامال کیا جائے تو وہ آنکھیں بند کرے۔ ہمارے لاکھوں نوجوانوں کو انٹروگیشن سینٹروں میں ناکارہ اور معذور بنایا جائے تو وہ چُپ سادھ لے۔ اب اگر کوئی زبان کھولنے کی جرأت بھی کرے تو اس پر دہشت گردی کا لیبل لگایا جائے تاکہ اصل دہشت گردی سے پردہ اٹھنے نہ پائے۔ بھارت ہماری پرامن جدوجہد کو تشدد سے جوڑنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اس کے کرتوتوں کا بھانڈا پھوٹنے نہ پائے۔ اس طرح کی صورتحال میں ہماری کیا ذمہ داری بنتی ہے؟ ہم کو کیا کرنا چاہیے اور بھارت کی مکاری کا ہماری طرف سے کیا جواب ہونا چاہیے۔ ایک صورت یہ ہے کہ ہم مایوس ہو جائیں، ہاتھ پر ہاتھ

دھرے بیٹھیں رہیں اور یہ سوچنے لگیں کہ آخر بھارت کا ۶۲ سالہ فوجی قبضہ کیسے ختم ہوسکتا ہے؟ بھارت ایک ہاتھ لگے ملک کو کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ یہ ایک ذہنی کیفیت ہے، جو کچھ لوگوں پر طاری بھی ہوگئی ہے۔ وہ ہم سے بھی سوال کرتے ہیں کہ بھارت آخر کشمیر کو کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ جبکہ اس کے پاس ایٹم بم بھی ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں مسلح افواج بھی ہیں۔ دنیا کے باقی ممالک بھی اس کے ساتھ تعرض کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ وہ کسی حد تک اس کا سپورٹ ہی کرتے ہیں۔ یورپی یونین نے بھی اپنے سابقہ بیان سے مکر کر کشمیر کو بھارت کا حصہ قرار دیا ہے۔ ایسی صورت میں بھارت کو کیا پڑی ہے کہ وہ یہاں سے چلا جائے؟ یہ مایوسی کی باتیں ہیں جن کے جواب میں، میں مکرر کہتا ہوں اور آئندہ بھی کہتا رہوں گا کہ ہم ضرور بھارت کے چنگل سے آزاد ہوجائیں گیا انشاء اللہ۔ کیونکہ دنیا میں کسی بھی قوم کی آزادی کے لیے جدوجہد آج تک ناکام نہیں ہوئی ہے۔ دنیا کی بیشتر اقوام ماضی میں دوسروں کی غلام رہی ہیں۔ پھر انہوں نے کوشش کرکے غاصب قوتوں کے چنگل سے آزادی پائی ہے۔ وقت کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہ بات حتمی ہے کہ دنیا کی کوئی بھی طاقت کسی قوم کو ہمیشہ کے لیے غلام بنا کر نہیں رکھ سکتی ہے۔ یہ ایک منہ بولتی تاریخی حقیقت ہے، جس کو مایوسی سے آلودہ منطق سے جُھٹلایا نہیں جاسکتا ہے۔ میں آج کے دن آپ کو یقین دلاسکتا ہوں کہ باہری دنیا کی بات ہی نہیں بھارت کے اندر سے ہمارے حق میں آواز اٹھے گی اور وہاں سے ہماری آزادی کے لیے تحریک چلائی جائے گی اور تحریک چلانے والے کوئی اور نہیں خود بھارت کے ہی باشندے ہونگے اور سب سے بڑھ کر یہ بات کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں اس حقیقت پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ طاقت کا اصل سرچشمہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے اور وہ سب کچھ کرنے پر قادر ہے۔ وہ ناممکن کو ممکن بنانے کی طاقت رکھتا ہے اور ہمیں اُسی کے سہارے پر بھروسہ کرلینا چاہیے۔ بقولِ شیخ سعدیؒ کہ ”دشمن اگر قوی است، دوست قوی تر است“ یعنی

ہمارا دشمن اگر طاقتور ہے تو ہمارا دوست سب سے بڑھ کر طاقتور ہے"۔ مایوسی تو وہاں ہی پیدا ہو جاتی ہے کہ جہاں اللہ کی طاقت اور اس کی قدرت پر ایمان نہ ہو۔ میرا تو ایمانِ راسخ اور یقینِ کامل ہے کہ ظلم کی عمر بہت لمبی نہیں ہوتی ہے۔ ظلم آخر ختم ہو کر رہے گا اور ہم بھارت کے چنگل سے آزاد ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ۔ لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنی ذمہ داری ادا نہیں کرتے ہیں۔ ظلم کے خلاف سعی وجہد میں جس قسم کی یکسوئی اور یک رُخی مطلوب ہے وہ ہم میں مفقود ہے۔ ہماری آزادی کی راہ میں اگر کوئی سب سے بڑی رکاوٹ حائل ہے تو وہ ہماری خود کی کمزوری اور کم ہمتی ہے۔ ہم اپنے آپ کو بدلنے کے لیے تیار نہیں ہو جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ ہے۔ سورہ نحل کے آخر میں ارشاد ہوا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّالَّذِیۡنَ هُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ۵ (النحل، ۱۲۸)

"اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ یقیناً ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اور احسان کے صفت سے متصف ہوں۔ سورۃ روم میں ارشاد ہوا ہے کہ

SAIRA ABBASI

......وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۵ (الروم، ۴۷)

"ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مؤمنوں کی مدد کریں"

یعنی اللہ اپنے اوپر ذمہ داری لیتے ہیں کہ وہ مؤمنوں کی مدد ضرور کریں گے۔ ہم کو اللہ کی طرف سے مدد کیوں نہیں ملتی، تو اس کی وجہ اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کہ ہم نے ابھی اپنے آپ کو اللہ کی مدد کا مستحق نہیں بنایا ہے۔ ہمارے یہاں اخلاقی بے راہ روی عام ہے، شراب خوری اور سود خوری کا دور دورہ ہے۔ جواری جوا کھیلتے ہیں اور پولیس تماشہ دیکھتی ہے۔ نوجوان نسل منشیات کی عادی بن گئی ہے۔ صحت افزا مقامات پر اور گل لالہ کے باغ میں نوجوان

لڑکے، لڑکیاں بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہیں اور پولیس کو ہدایت کی گئی ہے کہ ان کے ساتھ کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ ان ساری خرابیوں کو سرکاری سرپرستی بھی حاصل ہے۔ نئی دہلی ہماری مسلم شناخت کو نیست و نابود کرنے کے درپے ہوگئی ہے۔ وہ ایک خدا بیزار کلچر کو یہاں پر مسلط کرنا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں تعلیمی شعبے کو خاص طور سے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں روز روز کلچرل پروگراموں کے نام پر ایسے شو منعقد کئے جاتے ہیں جن کا مقصد اخلاقی قدروں کا جنازہ نکالنے کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا ہے۔ یہ ایک مشرکانہ تہذیب کی یلغار ہے جس کا شکار ہماری قوم کو بنایا گیا ہے۔ ہماری دوسری کمزوری یہ ہے کہ ہماری قوم کو مختلف ناموں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ ہم دشمن کے جھانسے میں آکر منتشر ہوگئے ہیں۔ ایک تقسیم سیاسی قسم کی تقسیم ہے۔ دوسری تقسیم مذہبی قسم کی تقسیم ہے۔ دشمن چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر ہم میں تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے اور ہم اپنی بے عملی کی وجہ سے دشمن کی چالوں کے شکار بھی ہوگئے ہیں۔ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر ہم آلام و مصائب سے نجات چاہتے ہیں تو ہمیں ان تمام حد بندیوں سے اوپر اٹھ کر خالص مسلمان بننا ہوگا۔ ہم تمام تر اختلافات کو پس پشت ڈال کر ملّت کے مفاد کو مقدم رکھیں گے۔ اپنی قوم کی آزادی کو ترجیح دیں گے۔ ان تمام تنگِ ملّت لوگوں سے ہمیشہ کے لیے ناطہ توڑ دیں گے جو ہمیں بھارت کی غلامی پر قانع رہنے کا پاٹ پڑھاتے ہیں۔ ہمارا دین اسلام ہے۔ ہم سب سے پہلے مسلمان ہیں اور اس کے بعد کچھ اور ہیں۔ رنگ، نسل، زبان، علاقہ یا کوئی بھی اور چیز ہمارے درمیان تفرقہ نہیں ڈال سکتی ہے۔ یہ رنگارنگی (Diversion) اللہ تبارک وتعالیٰ کو پہچاننے کی نشانیاں ہیں۔ سورہ روم میں ارشاد ہوا ہے کہ:

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ
وَاَلْوَانِکُمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ہ (الروم، ۲۲)

> ''اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانشمند لوگوں کے لئے۔''

یعنی رات اور دن کا ہیر پھیر اور آپ کی زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا اللہ کی نشانیاں ہیں۔ یہ اہل علم کے لیے اللہ کو پہچاننے کی آیات ہیں۔ آپ رنگ و زبان اور نسل کو بت مت بناؤ۔ ہمارے پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

> لَا فَضَلَ لِعَرَبِيّ وَلَا لِعَجَمِيّ وَلَا لِاَحْمَرِ عَلٰى اَسْوَدِ وَلَا لِاَسْوَدِ عَلٰى اَحْمَرِ كُلُّكُمْ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمَ مِنْ تُرَابَ
>
> ترجمہ: کسی عربی کو کسی عجمی پر یا کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ اسی طرح سے کسی گورے کو کسی کالے اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔
>
> تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا ہے۔

ہم سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں یہ ہماری کج فہمی اور باطل کی سازش ہے کہ ہمیں مختلف خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ لہٰذا عیدالاضحیٰ کے اس موقعے پر ہم آج یہ عہد کریں گے کہ ہم سب سے پہلے مسلمان ہیں اور ہماری کوئی بھی اور شناخت ہمارے لیے ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ سورۂ انعام میں اللہ تبارک وتعالیٰ رسول رحمت ﷺ سے مخاطب ہیں کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ ''بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت صرف اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے''۔ بتائیے یہاں کون سی چیز باقی رہ گئی جو آپ باطل کے لیے وقف رکھیں گے۔

> ﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾
>
> (الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

ترجمہ: ''کہو، میری نماز، میرے تمام مراسمِ عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔''

اللہ تعالیٰ جس کا کوئی شریک نہیں، یہ بات اپنے دل و دماغ پر نقش کیجئے کہ اللہ ربّ العالمین کا کوئی شریک نہیں، کوئی ساجھی نہیں۔ جب تک مسلمانوں کی زندگی شرک سے پوری طرح پاک نہیں ہو جاتی تب تک ہم اللہ کی مدد کے مستحق نہیں بن سکتے ہیں۔ سورۂ مائدہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ واضح طور فرماتے ہیں کہ:

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ ط

''جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرایا اُس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے'' (المائدہ،۷۲)

سورہ نساء کی دو آیتوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ج
وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝ (النساء، ۴۸)

''اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، اِس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ اللہ کے ساتھ جس نے کسی اور کو شریک ٹھیرایا اُس نے تو بہت ہی بڑا جھوٹ تصنیف کیا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔''

آپ کو یہ بات ہر صورت میں سمجھ لینی چاہیے کہ دنیا کا اقتدار اسلام کے ہاتھوں میں ہونا چاہیے تا کہ پورے نظامِ زندگی میں اللہ کی فرماں برداری ممکن ہو سکے۔ جس نے اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے احکامات کی زندگی میں اطاعت کی تو اُس نے سراسر شرک کیا اور

SAiRA ABBASi

ایسے مشرکوں پر اللہ نے جنت کو حرام کر رکھا ہے۔ مسلمانو! اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں کا ادراک کرو اور دین کے صحیح تصور کو اپنے دل و دماغ پر نقش کرنے کی کوشش کرو۔ آج کے حالات میں مایوسی پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ کل تک وہ لوگ بھی تحریک میں آپ کے ساتھ چلتے تھے، یہ لوگ بھی جُڑے ہوئے تھے۔ آج کوئی اِدھر جاتا ہے تو کوئی اُدھر۔ بعض اصحاب بار بار اتحاد کی رٹ لگاتے ہیں۔ اتحاد کا درس دیتے ہیں۔ حالانکہ سب کچھ اُن کی آنکھوں کے سامنے ہورہا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ کون کس طرف جارہا ہے۔ کس کی منزل کون سی ہے۔

چند دن قبل پریس کانفرنس کے دوران ایک نوجوان نے مجھ سے پوچھا کہ آپ یکجا کیوں نہیں ہوتے؟ اتحاد کیوں نہیں کرتے؟ میں نے اُس سے کہا اگر آپ اور آپ کا کوئی دوست اکٹھے کہیں جارہے ہوں تو کسی دوراہے پر پہنچ کر آپ دوسمتوں کی طرف جائیں، کوئی دائیں اور کوئی بائیں تو پھر کیسے ممکن رہے گا کہ آپ اکٹھے سفر جاری رکھیں۔ اتحاد تب ممکن ہوتا ہے کہ جب منزل ایک ہو، منزل کی طرف جانے والا راستہ ایک ہو اور سب سے بڑھ کر نظریات کی ہم آہنگی ہو۔ ان لوگوں کے ساتھ ہمارا اتحاد کیسے ممکن ہوسکتا ہے، جن کا نظریہ سیکولرازم ہو، جو سیکولرازم کے پرستار ہوں۔ اُن کے ساتھ ہمارے اتحاد کا یہ مطلب ہے کہ ہم اسلام کو ترک کئے دیتے ہیں۔ کچھ لوگ دوفریقی بات چیت کی وکالت کرتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے ہمارے ساتھ ایک تحریری معاہدہ کیا ہوا ہے کہ ہمارا بنیادی مطالبہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی عمل آوری ہوگا۔ ہم کشمیری عوام کے لیے حقِ خودارادیت کی واگذاری پر زور دینگے جس کو عالمی سطح پر بھی تسلیم کرلیا گیا ہے۔ اس کے بعد اگر بھارت کشمیر کی متنازعہ حیثیت کو تسلیم کرتا ہے، اپنی افواج کو واپس بلاتا ہے، کالے قوانین کو کالعدم قرار دیتا ہے اور تمام نظر بندوں کو غیر مشروط طور رہا کردیتا ہے۔ پھر سہ فریقی مذاکرات کا انعقاد عمل میں لایا جاتا

ہے، تب جا کر حریت کانفرنس اس بات چیت میں ایک بنیادی فریق کی حیثیت سے شامل ہو جائے گی۔ پھر جو ۱۹۹۳ء کا آئین ہے وہ ہمیں پابند بناتا ہے کہ ان مذاکرات کی نگرانی اقوامِ متحدہ یا کسی دوست ملک کی طرف سے کی جانی چاہیے۔ یہ آئین اس بات کو بھی واضح کرتا ہے کہ کوئی بھی وہ حل کشمیریوں کے لیے قابل قبول نہیں ہوگا جو بھارتی آئین کے دائرے میں رہ کر نکالنے کی کوشش کی جائے گی۔ اب جو لوگ اس آئین کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر رہے ہوں ان کے ساتھ اتحاد کرنے کی آخر کیا صورت بن سکتی ہے؟ بھلے ہی وہ حریت ہی کا نام لیتے ہوں اور ۱۹۹۳ء کی آئین کی ہی تسبیح پڑھتے ہوں۔ یہ دھوکہ ہے اور اس قوم نے ماضی میں بھی اس طرح کے دھوکے کھائے ہیں۔ آخر آپ رسول رحمت ﷺ کے اس فرمان کو کیوں نظر انداز کرتے ہیں کہ ''مسلمان زیرک ہوتا ہے اور اس کو ایک ہی بل سے دو بار ڈسا نہیں جا سکتا ہے''۔ کشمیری قوم کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ۱۹۳۸ء سے اس کو کتنی بار ڈسا گیا ہے۔ یہ ڈسنے والے کون تھے اور ڈسنے کا ڈھنگ کیا تھا؟ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ قوم ابھی تک سنبھل نہیں پائی ہے۔ یہ ابھی بھی اُن ہی سوراخوں پر بیٹھی ہوئی ہے جہاں سے اس کو کئی بار ڈسا جا چکا ہے۔ یہ ابھی تک اُن ہی بھول بھلیوں میں بھٹک رہی ہے جو اس کو منزل سے کوسوں دور لے جا چکی ہیں۔ اگر ۱۹۳۸ء میں مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدل نہ دیا گیا ہوتا تو کشمیر کی تاریخ کچھ مختلف ہوتی۔ جب انگریز یہاں سے چلے گئے تو طے پائے معاہدے کے تحت کشمیر سیدھے طریقے سے پاکستان کا حصہ بن گیا ہوتا۔ نہ یہ غیر یقینی سیاسی صورتحال باقی رہ گئی ہوتی اور نہ کشمیریوں کا قتل عام ہی ہوا ہوتا۔ ۲۵ جولائی ۱۹۴۷ء کو اُس وقت کے گورنر جنرل لارڈ ماونٹ بیٹن ایک گائیڈ لائن دیتے ہیں کہ وہ پونے چھ سو ریاستیں جو آج تک بالواسطہ طور برٹش گورنمنٹ کے زیر انتظام تھیں، اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہیں۔ بھارت آزاد ہوا، پاکستان بن گیا۔ یہ مذکورہ ریاستیں تین باتوں کا خیال رکھتے ہوئے ان کے

ساتھ الحاق کر سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کس ریاست کی سرحدیں کس ملک سے منسلک ہیں۔ دوم یہ کہ آبادی کا تناسب کیا ہے۔ مسلمان اکثریت میں ہیں یا غیر مسلم۔ سوم یہ کہ کس ریاست کی کس ملک کے ساتھ زیادہ مذہبی، ثقافتی اور تہذیبی مماثلت پائی جاتی ہے۔ خدارا بتایئے کہ ان اصولوں کے تحت کشمیر قدرتی اور فطری طور کس ملک کا حصہ بننے جا رہا تھا؟ ہماری ساڑھے سات سو میل سرحدیں پاکستان کے ساتھ ملتی ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں یہاں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۸۵ فیصد تھا۔ جغرافیائی طور ہمارا ناطہ پاکستان کے ساتھ بنتا ہے۔ تمدنی طور ہم اسی ملک کے ساتھ میل کھاتے ہیں۔ پھر یہ بجلی ہم پر کس نے گرائی؟ یہ ہماری راہ کس نے گم کردی؟ ایک یہ انگریز اور انڈین نیشنل کانگریس کی ملی بھگت تھی۔ دوم یہ ہری سنگھ کی کارستانی تھی جن کا خاندان یہاں ایک سو سال سے حکومت کرتا چلا آ رہا تھا۔ تیسرے شیخ محمد عبداللہ تھے جنہوں نے خواہشاتِ نفس کا شکار ہو کر قومی مفادات کا سودا کیا اور ہندوستان کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ کشمیریوں پر یہ مصیبت نازل ہونے میں پاکستانی حکمرانوں کو بھی بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ وہ اس تاریخی موقعے پر اقدامی صلاحیت کا مظاہرہ نہ کر سکے اور کوئی فیصلہ کُن کارروائی کرنے سے قاصر رہے۔ یہ چار محرکات تھے جنہوں نے مظلوم کشمیریوں کو تاریک راہوں میں بھٹکنے کے لیے مجبور کر دیا اور انکی آزادی کو سبوتاژ کیا۔

نیشنل کانفرنس کی قیادت جو کچھ بھی کرتی ہے مجھے اس پر کوئی افسوس نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ پون صدی قبل ذہنی ارتداد کے شکار ہو چکے ہیں۔ مگر مجھے افسوس ہے اور یقیناً بہت زیادہ افسوس ہے اُن لوگوں کے حال پر جو آج بھی ان قومی مجرموں کا ساتھ دیتے ہیں۔ جو آج بھی نیشنل کانفرنس کا سپورٹ کرتے ہیں۔ جو مرنے کے قریب ہو کر بھی اس گناہ سے تائب نہیں ہوتے۔ حضور رحمت ﷺ کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے کہ ”میں لوگوں سے محبت کرتا ہوں اور ان کو پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانا چاہتا ہوں“ بعینہٖ اسی طرح میں کسی حسد کی بنا پر نہیں بلکہ محبت کی

بنیاد پر آپ کو واپس آنے کا صلح دیتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی بھی کلمہ گو بھائی جہنم کا ایندھن بنے۔ وہ شخص یقیناً جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے جو اسلام کو چھوڑ کر نیشنلزم کا ساتھ دیتا ہے۔ سیکولر ازم کا ساتھ دیتا ہے۔ سوشلزم کا ساتھ دیتا ہے۔ کمیونزم کا ساتھ دیتا ہے اور تفریق دین وسیاست کے فلسفے پر ایمان لاتا ہے۔ سورۃ نسآء میں ارشاد ہوا ہے کہ

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِلُوْافِیْٓ
اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ (النساء، ۶۵)

”نہیں، اے محمد ﷺ، تمہارے ربّ کی قسم یہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سربسر تسلیم کر لیں۔“

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ تب تک ہرگز بھی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنی پوری زندگی میں حضور ﷺ کی راہنمائی کو قبول نہ کر لیں۔ اس میں دل کی کسی تنگی کے شکار نہ ہوں بلکہ خوشی خوشی ان کے احکامات کو اپنائیں۔ لہٰذا ہم کو فیصلہ کرنا ہے کہ آیا ہم رسمی مسلمان ہی بنے رہتے ہیں یا پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔ زندگی کے کتنے ایام ابھی باقی ہیں، یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ جوانوں کو چاہیے کہ وہ آگے آکر اپنے کو تیار کر لیں۔ اسلام کے رنگ میں رنگ جائیں اور ذہناً وعملاً اپنے کو اسلام کے ساتھ وابستہ کر لیں۔ پھر آپ دیکھ لیں گے کہ کس طرح سے اللہ کی مدد آجاتی ہے اور مایوسی کے بادل چھٹ جاتے ہیں“۔ آپ ذرا غور کریئے۔ عید نماز پڑھ کر آپ قربانی کریں گے، یہ قربانی کن کے نام پر آپ کرتے ہو۔ حضور ﷺ سے اپنے ساتھیوں نے پوچھا کہ ”یہ قربانی کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”یہ آپ کے جدِّ بزرگوار حضرت ابراہیمؑ کی سنّت ہے“۔ ہم سمجھتے

ہیں کہ جانور ذبح کرنے سے ہم نے حق ادا کر دیا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ جب تک ہم میں وہ جذبہ پیدا نہیں ہوتا جس جذبے سے سرشار ہو کر ابراہیمؑ اپنی اولاد کی قربانی کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے لاڈلے کو زمین پر لٹا کر اس کے گلے پر چھری پھیرنا شروع کر دی تھی کہ اللہ کی طرف سے ندا آئی کہ آپ نے حکم بجا لایا اور خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہماری قربانی باقی عبادات کی طرح ایک رسم بن کر رہ گئی ہے۔ یہ قربانی کرنے سے ہمیں یہ درس حاصل کرنا چاہیے کہ اللہ کی رضا جوئی کیلئے اگر ہمیں اپنی اولاد کو بھی قربان کرنا پڑا تو ہم دریغ نہیں کرینگے جانور کو ذبح کرنا محض ایک علامت ہے۔ اصل میں وہ جذبہ اہم ہے جو اس کے پیچھے ہمارے دلوں میں موجزن ہو جانا چاہیے۔ دوسری بات میں آپ کو بتاتا چلوں کہ جو مایوس ہو جاتا ہے، اُس کو عید منانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ عید گاہ آنے کا اور نہ قربانی کرنے کا کوئی حق ہے۔ آپ لوگ اس بات پر غور کیوں نہیں کرتے کہ جب حضرت ابراہیمؑ اُٹھے تو یکہ و تنہا تھے۔ باپ نے ساتھ نہیں دیا، خاندان ساتھ نہیں ہولیا، رشتہ داروں نے دھتکارا، قوم نے مخالفت کی، وقت کا نمرود دشمن ہو گیا۔ وہ مایوس نہیں ہو گیا، اُس پر خوف طاری نہیں ہوا کہ کوئی میرے ساتھ نہیں ہے۔ میں کیسے اس نیا کو پار لگاؤں۔ یہ کیا چیز تھی، جس نے اس کو یہ جرأت عطا کی، یہ بے خوفی نصیب کی۔ یہ اللہ کی ذات پر اس کا یقین تھا، جس نے اس کو اندیشے سے بے نیاز کر دیا۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ نحل میں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیۡفًا ؕ وَلَمۡ یَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ۝

”واقع یہ ہے کہ ابراہیمؑ اپنی ذات سے ایک پوری اُمت تھا، اللہ کا مطیع فرمان اور یکسو۔ وہ کبھی مشرک نہ تھا۔“ (النحل، ۱۲۰)

یعنی ابراہیمؑ ایک فرد نہیں بلکہ ایک اُمّت تھے۔ انہوں نے ایسا کارنامہ انجام دیا جو ایک اُمت ہی انجام دے سکتی تھی۔ آج دنیا میں ڈیڑھ ارب سے زیادہ مسلمان بودوباش رکھتے

ہیں۔ لیکن آج ہم میں وہ ہمت اور جرأت موجود نہیں ہے جو ایک اکیلے ابراہیمؑ میں موجود تھی۔ ہم اس توکل علی اللہ سے عاری ہیں جو ابراہیمؑ کا خاصہ تھا۔ ہمیں عہد کرنا ہے کہ ہم اپنے ایمان کی تجدید کرینگے۔ ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت کو تازہ کرینگے۔ ہمارے ایمان کی بنیادیں کمزور ہوگئی ہیں۔ عیدالاضحیٰ ہمیں درس دیتی ہے کہ ہم حضرت ابراہیمؑ کے اسوۂ حسنہ کو یاد رکھیں۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضورِ رحمت ﷺ کو فرماتے ہیں کہ

اِنِ اتَّبِعَ مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ہ

یعنی تم حضرت ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کرنا اور وہ مشرکوں میں شامل نہیں تھے۔

آج کا دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم بھی اسی معروف طریقے کو اپنائیں۔ اسلامی نظام کے احیاء کے لیے جدوجہد کریں جو عدل وانصاف، امانت ودیانت اور اعلیٰ اخلاقی قدروں پر استوار معاشرہ قائم کرنے کی راہ آسان بنا دیتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بدیوں اور برائیوں کے خلاف منظّم ہو کر اٹھ کھڑے ہوں۔ باطل قوتوں کی بالادستی کے خلاف آواز اٹھائیں۔ اقبال مرحومؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

سُنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش ولذّت نمود میں ہے

یعنی میں نے سُنا ہے کہ غلامی کی لعنت سے نجات پانے کی دو ہی راہیں ہیں، تیسری کوئی نہیں۔ ایک یہ کہ غلام قوم خودی کی پرورش کرے۔ خودی کے کیا معنیٰ ہیں۔ یعنی سب سے پہلے وہ اپنے عقائد اور اپنے نظریئے کی حفاظت کریں۔ عقائد اور نظریئے کی حفاظت محض نعرہ دینے سے نہیں کی جاسکتی ہے۔ کوئی کسان نہ اپنی زمینوں میں ہل چلاتا ہے، نہ نلائی کرتا ہے اور نہ بیج بوتا ہے۔ وہ موسم بہار میں صبح شام ”چائینا شالی زندہ باد“ کا نعرہ لگاتا ہے۔ خدارا بتائیے کہ کیا اس کا یہ نعرہ دینے سے اس کی زمین آباد ہو جائے گی۔ اس کی کھیت میں فصلیں

اُگ آئیں گی۔ نہیں اور یقیناً نہیں۔ کیونکہ زبانی خرچ سے کسی کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ پھر آپ یہی روش کیوں اپنائے ہوئے ہو۔ اسلام زندہ باد کا نعرہ تو دیتے ہو، لیکن نماز نہیں پڑھتے، قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، اسلامی کردار کا مظاہرہ نہیں کرتے اور اسلامی شعار کو نہیں اپناتے۔ جس قوم میں نظم اور ڈسپلن نہیں ہوتا ہے وہ قوم منزل نہیں پاتی ہے۔ ایک خودی کی پرورش، یعنی اپنے عقائد اور نظریئے کی حفاظت کرنا، دوم یہ کہ پھر اس کا مظاہرہ کیا جائے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سڑکوں پر نکلنے سے کیا ہوتا ہے۔ لیکن اپنے عقائد اور نظریات کو عام کرنے کیلئے ان کا مظاہرہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا کوئی بھی پروگرام بے ہنگم نہیں ہوتا ہے۔ اس میں دھکم پیل نہیں ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش نہیں ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب جان پال دوم رحلت پا گئے، روم کے شہر اٹلی میں ان کے جنازے میں بیس لاکھ لوگ شامل تھے۔ میں نے ٹی وی پر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور میں اس اجتماع کے نظم اور وقار کو دیکھ کر متاثر ہو گیا۔ بیس لاکھ کے اس اجتماع میں لوگ اس طرح سے بیٹھے تھے کہ جیسے اُن کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ یہ نظم وضبط اور اپنے اصولوں کے ساتھ وابستگی کا مظاہرہ تھا۔ کوئی نعرہ نہیں تھا، کوئی دھکم پیل نہیں تھی اور کوئی کسی سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ ہمارے یہاں یہ چیز بالکل ہی مفقود ہے۔ ہمارے اکثر پروگرام ہنگاموں کے نذر ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں جنازہ بھی پڑھا نہیں جا سکتا۔ عیدگاہ چلو کے تاریخی پروگرام کا حال آپ کے سامنے ہے۔ سارا کشمیر سڑکوں پر اُمڈ آیا تھا، لیکن کوئی بات وہاں نہیں کی جا سکی۔ بہر حال ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم اپنے میں نظم وضبط پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ ہمارے سارے پروگرام پُر امن اور باوقار ہونے چاہیں۔ ہمیں اپنے عمل سے دہلی اور دنیا تک بھی یہ پیغام پہنچانا چاہیے کہ ہماری جدوجہد خالصتاً ایک پر امن جدوجہد ہے۔ ہم اپنے پیدائشی حقوق خاص کر حق خود ارادیت کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ ہم کسی

اسٹیٹس کیو (Status Quo) کو قبول نہیں کرینگے۔ بھارت کے وزیر اعظم نے کل ہی امریکہ جاتے ہوئے یہ بیان دیا ہے کہ کشمیر میں سرحدوں کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ہم اُن کو نرم بنائیں گے۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب جوں کی توں صورتحال کو برقرار رکھنا ہے۔ یہاں بھی کچھ لوگوں کو ذہناً اس بات کیلئے تیار کیا گیا ہے کہ وہ اس چیز پر قناعت کریں اور اس سے زیادہ کی تمنا نہ کریں۔ پاکستان کو بھی اسی طرح کے حل کی طرف لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ لیکن میں نے پہلے بھی کہا ہے اور آج بھی اسی بات کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ چاہے دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے ہم وہ کوئی بھی حل کسی بھی صورت میں قبول نہیں کرینگے جو ہماری قربانیوں کے منافی ہو۔ جو ہماری امنگوں اور خواہشات کے برعکس ہو اور جو ہمارے بنیادی حقوق کی بحالی سے عبارت نہ ہو۔ چاہئے یہ Status Quo کی شکل میں ہو، اندرونی خود مختاری کی شکل میں ہو، چار نکاتی فارمولے کا چربہ ہو یا سیلف رول کی شکل کی کوئی چیز ہو۔ ہم جموں کشمیر کی تقسیم کو بھی قبول نہیں کرینگے۔ صوبہ جموں میں ہمارے چالیس سے پینتالیس فیصد مسلمان بھی بودوباش رکھتے ہیں۔ ہم ان کو ان فرقہ پرستوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ سکتے ہیں جنہوں نے پہلے بھی انہیں لاکھوں کی تعداد میں شہید کردیا ہے۔ جنہوں نے ۲۰۰۸ء میں شرائن بورڈ مسئلے کے موقعے پر بھی ان کی زندگیاں اجیرن بنادیں۔ ہمیں کسی غیر مسلم بھائی کے ساتھ کوئی عناد نہیں ہے۔ چاہئے یہ جموں کا ڈوگرہ ہو، لداخ کا بودھ ہو یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اسلام ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم مذہب کی بنیاد پر کسی کے ساتھ دشمنی کریں۔ یا کسی کے ساتھ نفرت کریں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ تمام لوگ انسانی رشتے کی بنیاد پر ہمارے بھائی ہیں۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ جموں کشمیر کا سب سے زیادہ مناسب اور قابل قبول حل حقِ خودارادیت کی واگذاری میں مضمر ہے کیونکہ یہی حل جموں کشمیر کی سالمیت اور یہاں کے صدیوں پُرانے بھائی چارے کو برقرار رکھنے کی ضمانت فراہم

کرتا ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ جموں کشمیر کے تمام باشندوں کو موقع فراہم کیا جائے تاکہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کرسکیں۔ پھر اگر خدانخواستہ فیصلہ بھارت کے حق میں بھی ہو جاتا ہے تو ہم قبول کرینگے۔ ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدائے ما است۔ یعنی تمام ملک تو ہمارے ہی ملک ہیں، کیونکہ یہ سب اللہ کے ملک ہیں۔ ہم جہاں بھی رہیں گے، اسلامی نظام زندگی کے نفاذ کی کوشش کرتے رہیں گے، کیونکہ یہی وہ واحد نظام ہے جو دنیا میں عدل، انصاف اور امن قائم کرنے کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ آخر میں یہ دعا ہے کہ اللہ ہم کو آلام ومصائب سے نجات دلاکر اسلام اور آزادی کا بہار دکھائے۔ آمین۔

اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ”چنیں دور کم دیدہ باشد“ یعنی آج کا یہ جو دور ہے یہ چشم فلک نے بہت کم دیکھا ہے۔ یہ دور کیسا ہے کہ ”جبرئیل امینؑ را دل خراشد“ یعنی اللہ کے مقرب فرشتے جبریل کا دل بھی اس دور کو دیکھ کر زخمی ہوا جارہا ہے۔ ”چہ خوش دہرے بنا کردند آنجا“ آج کے اس دور میں ایک ایسا عجیب وغریب اور خوبصورت بُت خانہ تعمیر کیا گیا ہے کہ ”پرستد مؤمن وکافر تراشد“ یعنی اس بُت خانے کے جو بت ہیں، وہ کافروں، ظالموں اور جابروں نے تراش کر تیار کرلئے ہیں اور بدقسمتی یہ ہے ان بتوں کو پوجنے والے وہ لوگ ہیں جن کو دنیا مسلمانوں کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ چاہئے وطنیت کا بُت ہو، قومیت کا بُت ہو، سیکولرازم کا بُت ہو، سوشلزم کا بُت ہو یا کمیونزم کا بُت ہو۔ ان سارے بتوں کو پوجنے والے مسلمان ہیں۔ آپ ان تمام بتوں کی پرستش سے باز آؤ گے۔ آپ اسلام کے بغیر ان سارے باطل نظریات کو مسترد کرینگے اور تفریق دین وسیاست کے فلسفے کو کسی بھی صورت میں قبول نہیں کرینگے۔ امت مسلمہ جب تک ان گمراہ کن ازموں کو یکسر ترک نہیں کرتی اس کی مصیبتوں کا خاتمہ محال ہے، یہ پہلی بات ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم اپنی صفوں میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریں اور اس اتحاد کی بنیاد صرف اور صرف اسلام ہو۔ اسلام بحیثیت

مکمل نظامِ زندگی اور کامل ضابطۂ حیات۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ۝ (آلِ عمران: ۸۵)

’’اس فرمان برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اُس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا‘‘

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

SAIRA ABBASI

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

’’یعنی اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔‘‘

اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین (نظامِ حیات) صرف اور صرف اسلام ہے۔ تیسری جگہ اللہ تعالیٰ و تبارک کا ارشاد ہے کہ

۞ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ اُدْخُلُوْ فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ۞ (البقرہ: ۲۸)

یعنی اے ایمان والو پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو۔ یعنی جو لوگ تمہیں اسلام کے بغیر کسی اور راستے کی طرف بلائیں، اُن کی دعوت پر کان نہ دھرو اور اُنکے پیچھے مت چلو کیونکہ اسلام کو چھوڑ کر سب کے سب طریقے شیطان کے طریقے ہیں۔ یہ دوسری بات جو میں آپ تک پہنچا دینا چاہتا ہوں۔ تیسری بات جو آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہماری یہ جدوجہد اسلام کے عین مطابق ہے۔ ہم اخلاص کے ساتھ اس جدوجہد میں شامل ہیں۔ پھر ہمارا مسجد میں بیٹھنا بھی عبادت ہے۔ جلسہ کرنا بھی عبادت ہے۔ بات کرنا اور بات سُننا بھی عبادت ہے۔ آپ کسی بھی چیز کو غیر ضروری نہ سمجھیں۔ قیادت جب بھی آپ کو کسی پروگرام کی طرف بلائے تو آپ

پوری ذہنی یکسوئی کے ساتھ اس میں یہ سمجھ کر شامل ہو جائیں کہ یہ ہمارے لیے عبادت ہے۔ کیونکہ ہمارا موٴقف اعلائے کلمۃ اللہ اور آزادی برائے اسلام کے لیے مقدور بھر کوشش اور سعی کرنا ہے۔

SAiRA ABBASi

عیدالاضحیٰ 2010ء

آج بھی ہو جو......

عیدالاضحیٰ کا مقدس دن آرہا ہے۔ یہ دن پوری امت اور ملّتِ مرحومہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادیں تازہ کررہا ہے۔ آپؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت کے منصب پر فائز کیے گئے تھے۔ یہ کونسا دور تھا، کونسا وقت اور زمانہ تھا اور جس قوم میں آپؑ معبوث فرمائے گئے اُس قوم کی حالت کیا تھی۔ یہ سب کچھ قرآنِ پاک کی وساطت سے بنی نوع انسان اور خاص طور اُمتِ مسلمہ کے لیے تفصیل اور وضاحت کے ساتھ سامنے رکھا گیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آپؑ دوسرے پیغمبر ہیں جن کو عالمگیر حیثیت میں اللہ کے پیغمبر اور رسول کی حیثیت سے معبوث فرمایا گیا تھا۔ آپؑ کی قوم شرک اور بُت پرستی پر یقین رکھتی تھی۔ آپؑ جس گھر میں پیدا ہوئے وہ گھر بُت تراشی اور بُت پرستی میں نمایاں اور امتیازی مقام رکھتا تھا۔ آذر اُن کے والد کا نام بتایا جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ آذَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْ اَرٰکَ
وَقَوْمَکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (الانعام، ۷۴)

''ابراہیمؑ کا واقعہ یاد کرو جبکہ اُس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں''

اپنے باپ کے سامنے اُن کی بُت پرستی اور بُت تراشی پر ضرب لگانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرتِ ابراہیم کو مظاہرِ کائینات کا تعارف کرایا۔ آپؑ نے تاروں کو دیکھا اور کہا کہ یہ روشنی دینے والے ہیں، رات کی تاریکی میں چمکتے ہیں، آسمان اور زمین کی تاریکیوں میں

روشنی اور درخشندگی پیدا کرتے ہیں۔ پتھروں سے بنے بتوں کے مقابلے میں یہی تارے پوجے جانے والے اور خدا ہونے چاہئیں۔ مگر جب یہ ڈوب گئے اور ان کی روشنی مدھم پڑ گئی اور ان کے مقابلے میں چاند زیادہ تابندگی کے ساتھ طلوع ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تارے ڈوب جانے سے ان کی ناپائیداری اور فنائیت کا ادراک کر کے اعلان کر دیا کہ

''میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا ہوں''

ماہتاب کو دیکھ کر آپؑ نے کہا کہ تاروں کے مقابلے میں یہ زیادہ روشن ہے۔ یہی لائق عبادت اور بندگی ہے۔ مگر سورج طلوع ہوتے وقت تاروں اور چاند کی روشنی بھی ماند پڑ گئی۔ آپؑ نے کہا کہ یہی ربّ ہے اور سب سے بڑا۔ کیونکہ تارے اور چاند اس کے مقابلے میں بے نور دکھائی دے رہے ہیں۔ سورج کے غروب ہونے تک آپؑ اس تصور میں رہے مگر جب آفتاب بھی اپنے انجام کو پہنچ کر غروب ہو گیا تو آپؑ نے اعلان کر دیا:

یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ہ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ہ (الانعام، ۷۸:۷۹)

اے برادران قوم! میں اُن سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھیراتے ہو۔ میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رُخ اُس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اقبال علیہ الرحمہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے غروب آفتاب کا منظر دیکھ کر ربّ کائنات کی پہچان اور معرفت کا جو اعلان اور اقرار کیا۔ ایک شعر میں سمو دیا ہے

وہ سکوتِ شام صحرا میں غروبِ آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل

انسان کے اردگرد کائینات کے مناظر اور خود انسان کا اپنا وجود آیات اور نشانیاں ہیں۔ جن پر انسان کو تدّبر اور غور وفکر کر کے خالقِ کائینات کا ادراک حاصل کرنے کی جو کوشش اور سعی کرنا چاہیے تھی وہ نہیں کر رہا ہے۔ تحقیق اور تدّبر ہو رہا ہے۔ بلا شک وشبہ۔ مگر تدّبر اور تفکر آج کے انسان کو اللہ کی معرفت اور وحدانیت کے بجائے یا تو الحاد کی طرف یا شرک اور مظاہر کائینات کی پرستش کی طرف ہی لے جا رہا ہے اس کی بنیادی وجہ تحقیق اور تدّبر کرنے والوں کی فکر اور سوچ کی کمی ہے کہ وہ خالق کائینات کے وجود کی شناخت اور پہچان کیلئے مظاہر کائینات کی کھوج نہیں لگاتے ہیں، بلکہ اُن کے اپنے ذہن میں یہ تصور ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ از خود پیدا ہوا ہے۔ اس کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس لیے وہ اصلی صانع تک رسائی حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند، تاروں اور آفتاب کو ڈوبتے اور بے نور ہوتے دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے قلب وذہن کو اپنی ہدایت سے نوازا۔ اس واقعہ سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے سہارے خلاء میں پرندوں کی طرح پرواز کرنا اور سمندروں کے سینوں کو مچھلیوں کی طرح چیرنا، انسان کے لیے ممکن ہوسکتا ہے مگر ہدایت اور خالقِ کائینات کے وجود کی شناخت انسان کے اپنے بس میں نہیں ہے جب تک اللہ کی طرف سے اُس کو ہدایت نصیب نہ ہو۔

اللہ کی معرفت حاصل ہو جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی بندگی کی طرف دعوت دی۔ وقت کے حکمرانوں نے لوگوں کو اپنی بندگی اور غلامی کے شکنجے میں کسا تھا یہ کہہ کر کہ ہم تمہارے معبودوں کی نسل اور خاندان سے ہیں۔ اس لیے تمہارے مقابلے میں ہمیں برتری اور فوقیت حاصل ہے۔ اس بنیاد پر تم ہمارے احکامات اور ہماری ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرو۔ یہاں یہ نکتہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ مشرکانہ تہذیب بُت

پرستی تک ہی محدود نہیں رہتی ہے، بلکہ وہ اپنی چھاپ زندگی کے ہر شعبے پر حاوی کرنے کی پالیسی اختیار کرلیتی ہے۔ اقتدار میں ہوتے ہوئے state کے جتنے ذرائع اور وسائل اُن کے پاس ہوتے ہیں وہ اُن کو اپنی چھاپ مسلط کرنے کیلئے استعمال میں لاتے ہیں۔ اس لیے توحید کے علمبرداروں پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنی تمام تر قوتیں اور صلاحیتیں معاشرے میں تبدیلی لانے کے لیے استعمال میں لائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ سے یہی راہنمائی ملتی ہے کہ اُنہوں نے وقت کے نمرود کے دربار میں جاکر اللہ کی بندگی کی دعوت دی۔ اُن کے ساتھ قوی استدلال کے ساتھ مباحثہ بھی کیا، وہ ناقابلِ تردید دلیل کے مقابلے میں مبہوت ہوکر رہ گیا۔ مگر ہدایت اور اللہ کی وحدانیت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگیا:

اِنَّکَ لَا تَھۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَھُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُھۡتَدِیۡنَ ۝ (القصص، ۵۶)

’’تم جسے چاہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔‘‘

وَاللّٰہُ لَا یَھۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ

SAiRA ABBASi

’’مگر اللہ ظالموں کو راہِ راست نہیں دکھایا کرتا‘‘

ظالم لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس لیے محرومِ ہدایت کردیتا ہے کہ انہوں نے بندگی کی حدود پھاند کر اپنے آپ کو ربّ اور اِلٰہ کے مرتبے تک پہنچایا ہوتا ہے۔ اقتدار اور حکومت وسلطنت پر قابض ہونے کی بنیاد پر وہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ ہمارے پاس قوت، طاقت اور سطوت ہے اس لیے ہم لازماً عام انسانوں سے برتر اور افضل ہیں۔ ہم کو کسی اور کی ہدایت اور راہنمائی کی ضرورت نہیں ہے۔ عام لوگ بھی چونکہ کمزور اعتقاد اور ایمان کے ہوتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کی جاہ وحشمت سے متاثر اور مرعوب ہوکر راہنمائی، اطاعت اور فرماں برداری کے لیے اپنے

آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں نمرود نام کے بادشاہ نے لوگوں پر تسلط جمایا تھا۔ چونکہ ملک کے تمام ذرائع اور وسائل پر ان کا کنٹرول تھا۔ وہ لوگوں کو زندگی کی ضروریات اور سہولیات فراہم کرنے کی دسترس رکھتا تھا۔ اس بنیاد پر وہ اُن کا پالنہار بن چکا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے معبودانِ باطل پر ضرب کاری لگا کر ان کو حیران و ششدر بنا دیا۔ جب ان کو بتایا گیا کہ تمہارے معبودوں کے ساتھ جو کچھ ہوا اگر یہ بولنے اور بات کرنے کی قوت اور طاقت رکھتے ہیں تو ان سے پوچھو کہ ان کے ساتھ یہ سلوک اور رویہ کس نے روا رکھا؟ مجھ سے کیوں پوچھتے ہو۔ یہ اُن کی سوچ اور فکر پر ایک کاری ضرب تھی کہ تم لوگ ان بے حس اور بے اختیار پتھروں کی پوجا کرتے ہو۔ جو یہ بات تک تم کو بتلا نہیں سکتے کہ ان کی توڑ پھوڑ کس نے کی ہے۔ آخر تم اپنی عقل اور سوچ سے کام کیوں نہیں لیتے؟ مادی طاقت کے نشے میں چُور جب دلیل اور استدلال کے سامنے لاجواب ہو جاتے ہیں تو وہ طاقت کا بے تحاشا استعمال کر کے مخالف آواز کو زیر کرنے کا غیر اخلاقی اور بہیمانہ طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ یہی طرزِ عمل نمرود اور اُس کی قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف اختیار کیا۔ انہوں نے آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کر لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُس میں ڈال کر بھسم کرنا چاہا۔ ابراہیم علیہ السلام کے سامنے یہ بہت بڑا امتحان تھا کہ وہ اس آگ میں کود پڑیں گے اور اپنی جان کو قربان کریں گے۔ یا اپنی جان بچانے کیلئے نمرود اور اُس کی بُت پرست اور مشرک قوم کے سامنے سرنڈر کریں گے۔ عقل عام تو کہتی ہے کہ جان بچانی چاہیے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مظاہرِ کائینات کا عینی مشاہدہ کرنے کے بعد جس ذات اقدس، خالق و مالک کائینات پر ایمان و یقین کا اعلان کیا تھا یہ شعوری اعلان اور ایمان تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنا سب کچھ اللہ ربّ کائینات کی مرضی اور منشاء کے مطابق قربان کرنے کا عزم اور عقیدہ تھا۔ یہ رسمی اور غیر شعوری ایمان نہیں تھا۔ یہ شعور کی پوری

بیداری کے ساتھ اعلان تھا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ لَا شَرِیْکَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾

(الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

ترجمہ: ''کہو، میری نماز، میرے تمام مراسمِ عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔''

آگ کا بھڑکتا ہوا الاؤ دیکھ کر، حضرت ابراہیم علیہ السلام میں کوئی خوف تردد، پریشانی اور تذبذب لاحق نہیں ہوا۔ اُن کو اس بات کا یقین محکم تھا کہ اگر میرے آقا اور مولا کو میرا آگ میں جل جانا ہی قبول ہوگا تو مجھے کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے اور اگر اُس کو میری جان بچانا ہوگی تو آگ کسی حال میں مجھے جلا نہیں سکتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ ربّ کائینات کو اپنے بندے کی جان بچانا تھی۔ آگ اُن کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکی۔ آگ میں جلانے کی قوت اور صلاحیت آگ کے خالق اور مالک نے بخشی ہے۔ اگر صلاحیت اور قوت بخشنے والا ہی کسی وقت اس کو سلب کرے تو نہ آگ جلا سکتی ہے اور نہ ہی پانی ڈبو سکتا ہے۔ اللہ برتر و بزرگ نے آگ کو حکم دیا:

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ٥ (الانبیآء، ۶۹)

''ہم نے کہا، اے آگِ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیمؑ پر''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے بچانا اور محفوظ رکھنا، اُن معجزات میں سے ایک معجزہ ہے جو قرآن کریم میں بیان کیئے گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آگ کو گلزار میں بدل دیا۔ یہ اُس کی قدرت اور طاقت سے کچھ بعید نہیں

تھا۔

> ''اگر کوئی شخص ان معجزات کی اس لیے تاویلیں کرتا ہے کہ اُس کے نزدیک خدا کے لیے نظامِ عالم کے معمول (Routine) سے ہٹ کر کوئی غیر معمولی کام کرنا ممکن نہیں ہے، تو آخر وہ خدا کو ماننے ہی کی زحمت کیوں اٹھاتا ہے''
>
> (تفہیم القرآن، جلد۳، ص۱۶۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ احکم الحاکمین کی ذاتِ اقدس کے ساتھ محبت اور لگاؤ ہی نہیں، بلکہ عشق کی حد تک تعلق اور وابستگی تھی۔ جہاں کسی ذات اور مقصدِ زندگی کے ساتھ محض ظاہری تعلق ہی نہیں بلکہ قلبی رشتہ اور عشق ہو وہاں اس مقصد کیلئے جان تک قربان کرنا، کوئی دُشوار مرحلہ نہیں ہوتا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں کودنے کے عمل کو عشق سے ہی تعبیر کیا ہے۔ عقل ایسے مواقع پر حیران و ششدر رہ جاتی ہے:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشا لب بام ابھی!

اللہ کی مدد، نصرت اور چاہت سے آگ کے الاؤ سے صحیح وسلامت نجات پانے کے بعد آپ نے ہجرت کا اعلان کر دیا۔ سورہ الصّٰفّت میں اس کا تذکرہ آیا ہے:

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ٥ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ٥

(الصفٰت: ۹۹، ۱۰۰)

> ''ابراہیم نے کہا'' میں اپنے ربّ کی طرف جاتا ہوں وہی میری راہنمائی کریگا۔ اے پروردگار، مجھے ایک بیٹا عطا کر جو صالحین میں سے ہو۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ اُن کی قوم بت پرستی اور بُت تراشی

سے باز آ کر اور تائب ہو کر بندگی ربّ کا راستہ اختیار کرنے کیلئے تیار نہیں ہے اور میری رسالت پر ایمان لا کر میری اطاعت اور پیروی پر راضی نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ انہوں نے مجھے جان سے مار دینے کے لیے وحشیانہ اقدام کر کے آگ کے الاؤ میں جلانا چاہا تو انہوں نے اپنے وطن سے ہجرت کی۔ یہ سنت پیغمبری ہے کہ جس وطن میں اللہ کے مبعوث کئے ہوئے مرسلین کے دین اور مشن کے لیے سازگار ماحول فراہم نہیں ہوتا ہے تو وہ وطن کو ترک کر کے اپنے مشن اور مقصدِ رسالت کو اولین ترجیح دیدیتے ہیں۔ ہم عملاً آخری رسول ﷺ کی سیرت پاک میں بھی دیکھتے ہیں۔ اس سے وطن پرستوں کے نظریہء کا بطلان واضح ہو جاتا ہے جو دین، ایمان اور اِلٰہی مشن کے پھیلاؤ، تبلیغ، اشاعت اور غلبہ کے امکانات اپنے زاد و بوم میں معدوم پانے کے بعد بھی وطن کو اولین درجہ اور مقام دیتے ہیں۔ انہی کے لیے علامہ اقبالؒ نے جو روحِ دین کے شناسا تھے وطنیت پر کاری ضرب لگائی ہے۔

SAiRA ABBASi

اس دور میں مے اور ہے، جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور

مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے تراشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانہء دینِ نبویؐ ہے

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تُو مصطفوی ہے

نظارۂ دیرینہ زمانے کو دِکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بُت کو مِلا دے!
(بانگ درا، ص ۱۶۰)

وطنیت کے بُت نے امتِ مسلمہ کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اسلام کے ابدی اور آفاقی پیغام کے مقابلے میں، وطن کا بُت پوجتے ہوئے اُمّتِ مسلمہ خدا پرست بن جانے کے بجائے وطن پرست بن گئی ہے۔ یہاں یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو جائے کہ وطن کے ساتھ محبت نہیں رکھنی چاہیے۔ یہ غیر فطری سوچ اور فکر ہے۔ جائے پیدائش اور جس سرزمین میں انسان نے جنم لیا ہو اُس کے ساتھ فطری طور محبت اور لگاؤ ہوتا ہے۔ اس فطری جذبے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس جذبے کو مسترد کیا جا سکتا ہے اور نہ اس فطری جذبے اور رجحان کو وطن پرستی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ وطن پرستی کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جو دین اور ضابطۂ حیات شعور کی بیداری کے ساتھ قبول کیا ہے اُس میں اور آپ کے وطن میں جب تصادم اور ٹکراؤ پیدا ہو جائے اور آپ کے لیے دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہو، تو اس انتخاب میں اگر آپ نے اپنے دین اور ایمان کے مقابلے میں وطن کو ہی ترجیح دی اور اُسی کو مقدم جان کر دین اور ایمانی تقاضوں کو پسِ پشت ڈال دیا اور ان کو ثانوی حیثیت دیدی تو وہی وطن پرستی ہے اور اسی سے اسلام نے روکا ہے اور اس کو سنت نبوی ﷺ سے انحراف قرار دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وطن چھوڑ کر دین اور بندگی ربّ کے نظام کو ترجیح اور فوقیت دیدی۔ آپؑ نے اولادِ صالح کے لیے دُعا مانگی، اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُعا قبول فرمائی اور اُن کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شکل میں ایک صالح فطرت فرزند عطا کیا۔ اس اولاد کی پیدائش سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک اور آزمائش میں ڈال دئے گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب اپنے باپ کی پرورش اور نگہبانی میں دوڑ دھوپ کو پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن

کو خواب میں دکھایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اس لاڈلے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ پیغمبروں کا خواب وحی کے برابر ہوتا ہے۔ آپؑ نے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے پوچھا کہ میں نے خواب میں آپ کو ذبح کرتے دیکھا ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟ صالح اور برگزیدہ بیٹے نے جواب دیا:

قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ز سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اُس نے کہا، ''ابا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے، آپ انشاءاللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔'' (الصّٰفّٰت، ۱۰۲)

لختِ جگر کو قربان کرنے کیلئے تیار ہو جانا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے بہت بڑی آزمائش تھی۔ مگر جس طرح آپ آگ کے الاؤ میں کود پڑنے اور وطنِ عزیز کو ترک کرنے کی آزمائش میں پورے اُترے برابر اُسی طرح آپ اس بڑی آزمائش میں بھی معیار مطلوب پر پورے اُترے۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا خون بہانا مطلوب نہیں تھا بلکہ اپنے دونوں برگزیدہ بندوں، باپ بیٹے کو پرکھنا تھا کہ وہ میرے حکم کی تکمیل میں کیا کردار ادا کریں گے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منہ کے بل لٹا کر آپؑ نے اُن کے گلے پر چھری چلانا چاہی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی ابراہیم علیہ السلام تم نے اپنا خواب پورا کر دیا۔ آپ کے سامنے ایک دُنبہ لایا گیا جسے آپ نے ذبح کر دیا اور اس طرح قربانی پوری ہوگئی اور قربانی کی یہ سنت تا صبحِ قیامت ملت میں جاری و ساری رکھی گئی۔ جیسا کہ رسول رحمت ﷺ سے پوچھا گیا کہ یہ قربانی ہم کس حیثیت سے دے رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

سُنَّتَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ

یہ تمہارے ابا ابراہیم کی سنت اور عمل ہے

عیدالاضحیٰ کو جانوروں کی قربانی دیکر امتِ مسلمہ یہی سنت پوری کر رہی ہے۔ اس

قربانی کی جو روح ہے وہ آج کے مسلمانوں کے عمل سے چھن گئی ہے اور یہ محض ایک رسم ہو کر رہ گئی ہے۔ بقولِ اقبالؒ

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

جانوروں کی قربانی دینے کا مطلب مقصد اور مدعا یہ تھا کہ اللہ کی رضامندی، خوشنودی اور اُس کے دین کے غلبہ کے لیے اگر ہم کو اپنی جانوں کی قربانیاں بھی دینا پڑیں گی تو ہم اُس کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں اور کسی تذبذب اور ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کریں۔ آج ہم جانوروں کی قربانیاں تو دیتے ہیں مگر اللہ کے دین کی مکمل پیروی سے دور بھاگ رہے ہیں۔ اللہ کے احکامات اور اُس کی کتاب اور پیغمبر ﷺ کی اطاعت اور فرماں برداری کے لیے اپنے جذبات، خواہشات اور رسم و رواج کو ترک کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ ہم نے وطنیت اور شخصیت کے بُت تراشے ہیں۔ اُن کی محبت اور اطاعت میں ہم خدا کے پسندیدہ دین کو مکمل طور پس پشت ڈال چکے ہیں۔ ہم نے دین کی کامل پیروی سے راہِ فرار اختیار کرنے کے لیے یہ گمراہ کن فلسفہ اپنا لیا ہے کہ دین اور سیاست الگ الگ ہے۔ دین کو ہم نے محض عبادت تک محدود کر رکھا ہے۔ زندگی کے معاملات میں ہم سیکولر ڈیموکریسی، سوشلزم، کمیونزم، سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی، غلط رسم و رواج، مشرکانہ تہذیب کے خدوخال، سود خوری، شراب نوشی، حتیٰ کہ غیر مسلموں کے ساتھ ہمارے رشتے بھی ہو رہے ہیں، پھر بھی ہم یہ دعویٰ کرنے سے شرماتے نہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ نام نہاد مسلمانوں کا حال دیکھ کر ہی علامہ اقبالؒ نے خون کے آنسو بہائے ہیں:

SAIRA ABBASI

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں، جنہیں دیکھ کے شرمائے یہود
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!

(جوابِ شکواہ، بانگ درا، ۲۰۳)

ہجرت کے دوران میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حجاز کی طرف بھی رُخ کیا۔ وہاں آپ نے مکۃ المکرّمہ کی سرزمین پر اللہ کی عبادت کے لیے ایک گھر تعمیر کیا۔ جس کو خانہ کعبہ کے نام سے پکارا اور جانا جاتا ہے:

SAI'RA ABBASI

''اور یہ کہ ہم نے اس گھر (کعبے) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیمؑ جہاں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اُس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو۔ اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو تاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو''

''خدا کے گھر کی اصلی پاکی یہ ہے کہ وہاں خدا کے سوا کسی اور کا نام بلند نہ کیا جائے۔ جس نے خانہ خدا میں، خدا کے سوا کسی دوسرے کو مالک، معبود، حاجت روا اور فریاد رس کی حیثیت سے پکارا اس نے حقیقت میں اُسے گندا کردیا''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کو تعمیر کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربّانی ہے:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ

مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ہ (البقرہ، ۱۲۷)

”اور یاد کرو ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اُٹھا رہے تھے، تو دُعا کرتے جاتے تھے، ”اے ہمارے ربّ، ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے۔ تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔“

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں جتنی آزمائشیں آگئیں۔ آپؑ ان آزمائشوں میں پورے اُترے اور آپؑ نے اللہ کے برگزیدہ اور عظیم بندے کی حیثیت سے صبر واستقامت اور عزم واستقلال کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں اعلان کردیا:

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ط قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ
اِمَامًا ط قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ط قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ہ

یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ اُن سب میں پورا اتر گیا۔ تو اس نے کہا میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا، اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے۔ اُس نے جواب دیا میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔“ (البقرہ، ۱۲۴)

جس طرح گمراہ یہودی اور مشرک بنی اسرائیل اس وعدے کے مصداق نہیں ہیں۔ برابر اُسی طرح آج کے مسلمان اس وعدے کے مصداق نہیں بن رہے ہیں۔ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ اور آخری رسول ﷺ کا طریقہ اور راستہ ترک کردیا ہے۔

قرآن پاک کی روشنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت پاک کے کچھ نمایاں پہلو اُجاگر کیئے گئے۔ تاکہ موجودہ دورِ پُرآشوب میں ان کو سنگ میل بنا کر آگے بڑھا جاسکے۔ اس حقیقت کے ادراک کے ساتھ کہ:

آج بھی ہو جو ابراہیمؑ کا ایمان پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستان پیدا!

SAiRA ABBASi

الحاق نہیں......فوجی قبضہ

31 اگست کو حیدر پورہ میں ایک پریس کانفرنس میں حکومت ہند کے سامنے پانچ نکاتی فارمولہ رکھا گیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ اس زندہ حقیقت کو اعلاناً تسلیم کیا جائے کہ جموں کشمیر انٹرنیشنل سطح پر متنازعہ خطہ ہے۔ قابض فورسز کا انخلاء شروع کیا جائے۔ اس کی نگرانی اقوامِ متحدہ کی طرف سے مقرر کردہ کوئی ایجنسی کرے، کیونکہ بھارت کی طرف سے انخلاء کے اعلانات ہوتے رہتے ہیں، لیکن زمینی صورتحال میں کوئی تبدیلی دیکھنے میں نہیں آرہی ہے۔ بھارت کے وزیر اعظم اس بات کی یقین دہانی کرائیں کہ اب تک جو جوان پولیس، سی آر پی ایف اور ریپڈ ایکشن فورس کے ہاتھوں شہید کیے گئے ہیں، انکے قاتلوں کو سزا دی جائے، نہتے لوگوں کے قتل کا یہ سلسلہ فوری طور بند کر دیا جائے اور آئے روز نہ صرف پوری وادی بلکہ پونچھ، راجوری، ڈوڈہ، کشتواڑ، بھدرواہ، رام بن اور بانہال میں بھی جوانوں کو پرامن احتجاج کرنے اور آزادی کے حق میں نعرے دینے کی پاداش میں گرفتار کر کے پابند سلاسل بنایا جا رہا ہے، اس سلسلے کو فوری طور بند کیا جانا چاہیے۔ کالے قوانین کا نفاذ ختم کیا جائے۔ تمام نظر بندوں کو غیر مشروط طور رہا کر دیا جائے اور جو فورسز ہمارے جوانوں کا خون بہانے کے ذمہ دار ہیں اُن کے خلاف Cases درج کر کے ان کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے۔ یہ وہ معقول اور زمینی صورتِ حال میں خوشگوار تبدیلی لانے والے نکات تھے جن کو تسلیم کر کے یہاں کی صورتِ حال میں بہتری لائی جاسکتی ہے اور پھر بنیادی مسئلہ کے حل کی طرف پیش رفت کی جاسکتی تھی۔ ان مطالبات کے حق میں 11 ستمبر عید الفطر کے موقع پر وادی

بھر اور صوبہ جموں کے مسلم اکثریتی علاقہ جات سے بھرپور حمایت حاصل کرلی گئی۔ اس طرح یہ مطالبات عوامی سطح پر سامنے لائے گئے تھے۔ اگر بھارت سرکار جموں کشمیر کا مسئلہ حل کرنے میں مخلص ہوتی اور دلچسپی کا مظاہرہ کرتی تو ان مطالبات پر خاموشی اختیار کر کے پارلیمانی وفد کو حالات کا جائزہ لینے کیلئے وادی میں بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی۔ 20 ستمبر 2010ء کو پارلیمانی وفد کے ساتھ ہم نے بات کرنے سے انکار کیا تھا۔ اسی بنیاد پر کہ ہمارا نقطہ نگاہ تو کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ جب تک اس کے بارے میں بھارتی حکومت کی طرف سے کوئی مثبت جواب نہ آجائے، پارلیمانی وفد سے بات کرنے سے کیا حاصل ہوگا۔ وفد میں سے کچھ ممبر حضرات ازخود تشریف آور ہوئے ہم نے اُن کے ساتھ انہی پانچ نکاتی فارمولہ پر بات کی اور ان کو تسلیم کروانے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ اپنی طرف سے ہم کوشش کریں گے، پہلا نکتہ کہ جموں کشمیر کی متنازعہ حیثیت کو اعلاناً تسلیم کرلیا جائے۔ شاید بھارتی حکومت کے لیے قابل قبول نہ ہو۔ باقی چار نکات کو تسلیم کرنے پر زور دیا جائے گا۔ ہم نے اُن حضرات سے دوٹوک انداز میں بات کی کہ جب تک پہلا Point تسلیم نہیں کرلیا جائے گا۔ باقی نکات کے تسلیم کرنے سے مسئلہ کی پیش رفت میں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ پارلیمانی وفد نے دہلی واپس جا کر حکومت ہند کی طرف سے 8 نکاتی Package سامنے لایا۔ جس میں جموں کشمیر کے مسئلہ کے حل کیلئے کوئی یقین دہانی نہیں کروائی گئی تھی، بلکہ یہاں کے برسرِ جدوجہد عوام کی توجہ ہٹانے کی ایک روائتی کوشش تھی۔ بھارتی حکومت نے گذشتہ 63 سال سے یہی طرز عمل اختیار کر رکھا ہے کہ جب جب یہاں حقِ خودارادیت کا مطالبہ منوانے کے لیے عوام سڑکوں پر آجاتے ہیں اور زوردار انداز میں اپنا جائز اور مبنی بر صداقت مطالبہ دہراتے ہیں۔ بھارتی حکومت ایک طرف Worst kind of state Terrorism کا مظاہرہ کرتی ہے۔ دوسری طرف بات چیت کا ڈھونگ رچا کر دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتی

ہے۔ اس مرحلے پر بھی برابر یہی صورتحال اپنائی جارہی ہے۔ پارلیمانی وفد کی آمد کے موقع پر بھی زبردست کرفیو کا نفاذ تھا اور نہتے Teen Agers پر گولیاں برسانا، اشک آور گیس کے گولے نشانہ باندھ کر داغنا، لاٹھی چارج اور پھر گرفتاریوں کا لامتناہی چکر جاری رکھنا تاکہ لوگوں کے حوصلے پست ہوں اور وہ ظلم وجبر اور بربریت وحیوانیت کے آگے سرخم ہوجائیں۔ تاریخ کے ہردور میں سامراجی اور استبدادی قوتوں کے یہ آزمائے ہوئے حربے ہیں۔ بقولِ اقبالؒ

موت ہے اک سخت تر جس کا غلامی ہے نام
مکروفنِ خواجگی کاش سمجھتا غلام

شاطرانہ چالیں، مکارانہ اور فریب کارانہ سیاست، دھوکہ دہی اور جعل سازی بھارتی حکومت اور سیاست کے معروف اور جانے پہنچانے خدوخال ہیں، جو گذشتہ 63 سال کے طویل عرصے میں جموں وکشمیر کی غالب اکثریت پر آزمائے گئے ہیں۔

اس عرصے کے دوارن میں اسمبلی کے ایوانوں میں بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ جموں کشمیر International Dispute ہے۔ بھارت کے ساتھ الحاق ہے انضمام نہیں۔ ایک طرف عالمی سطح پر تسلیم شدہ متنازعہ خطہ کہنا دوسری طرف الحاق کی بات کرنا کھلا اور نمایاں تضاد ہے۔ جموں کشمیر کے عوام کی غالب اکثریت الحاق کو چلینج کرتی ہے اور یہی تنازعہ کی **اصل بنیاد** ہے۔ الحاق کے بارے میں پہلا اختلاف یہ ہے کہ یہ متحدہ ہندوستان کی تقسیم کی بنیادوں کے منافی ہے۔ حیدرآباد کی خودمختاری اور جوناگڑھ کے پاکستان کے ساتھ الحاق کو جن بنیادوں پر بھارت کی حکومت نے تسلیم نہیں کیا ہے، بلکہ پولیس ایکشن کرکے ان دونوں ریاستوں کو بھارت کا حصہ بنادیا۔ اُنہی بنیادوں کی رُو سے جموں کشمیر پر بھارت کا قبضہ کوئی جواز نہیں رکھتا تھا۔ **دوسری بنیاد** آنجہانی مہاراجہ ہری سنگھ کے دستاویزِ الحاق پر دستخط کو السٹرلیمب نے غلط اور

خلافِ واقع قرار دیا ہے۔

Mr. Alastair Lamb

"The Myth of Indian Claim to Jammu & Kashmir"

The Myth of Indian Claim to
JAMMU AND KASHMIR —A REAPPRAISAL

It is now absolutely clear that the two documents (a) the Instrument of Accession, and (b) the letter to Lord Mountbatten, could not possibly have been signed by the Maharajah of Jammu and Kashmir on 26 October 1947. The earliest possible time and date for their signature would have to be the afternoon of 27 October 1947. During 26 October 1947 the Maharajah of Jammu and Kashmir was travelling by road from Srinagar to Jammu. His Prime Minister, M.C. Mahajan, who was negotiating with the Government of India, and the senior Indian official concerned in State matters, V.P. Menon, were still in New Delhi where they remained overnight, and where their presence was noted by many observers. There was no communication of any sort between New Delhi and the traveling Maharajah. Menon and Mahajan set out by air from New Delhi to Jammu at about 10.00 a.m. on 27 October, and the Maharajah learned from them for the first time the result of his Prime Minister's negotiations in New Delhi in the early afternoon of that day.

The key point, of course, has already been noted above, is that it is now obvious that these documents could only have been signed after the overt Indian intervention in the State of Jammu and Kashmir. When the Indian troops arrived at Srinagar air field, that State was still independent. Any agreements favourable to India

signed after such intervention cannot escape the charge of having been produced under duress. It was, one presumes, to escape just such a charge that the false date 26 October 1947 was assigned to these two documents. The deliberately distorted account of that very senior Indian official, V.P. Menon, to which reference has already been made, was no doubt executed for the same end. Falsification of such a fundamental element as date of signature, however, once established, can only cast grave doubt over the validity of the document as a whole

تیسری بنیاد: برطانوی راج کے خلاف اور آزادی کی جدوجہد میں سرِ فہرست انڈین نیشنل کانگریس کا 560 stand سے زائد ریاستوں اور راجواڑوں کے بارے میں یہ تھا کہ راجے مہاراجے اور نواب مستقبل کا فیصلہ نہیں کر سکیں گے، بلکہ اس کا حق عوام کو دیا جانا چاہیے۔ جموں کشمیر کے بارے میں اس اصول کو پامال کر دیا گیا۔

چوتھی بنیاد: آنجہانی ہری سنگھ کے خلاف 1946 میں ''بیعنامہ امرتسر توڑ دو کشمیر ہمارا چھوڑ دو'' کا نعرہ دیکر بغاوت ہو چکی تھی۔ اُن کا کوئی حق نہیں بنتا تھا کہ وہ اُس عوام کے مستقبل کا فیصلہ کرے، جنہوں نے ان کے خلاف بغاوت کی تھی اور ان کے خلاف عدمِ اعتماد کا برملا اعلان کر دیا تھا۔

پانچویں بنیاد: نام نہاد دستاویز الحاق پر لکھا گیا تھا کہ یہ عارضی، اور مشروط ہے۔ اس کی جب تک آزادانہ استصواب رائے عامہ کے ذریعے سے توثیق نہ ہو جائے اس کو حتمی قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

چھٹی بنیاد: یہ ہے کہ خود بھارت یہ قضیہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں لے گیا۔ وہاں طویل بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ دیا گیا کہ جموں کشمیر متنازعہ خطہ ہے اس کے حتمی حل کے لیے عوام کو

استصواب رائے عامہ کا موقع دیا جانا چاہیے۔ پہلی قرارداد 21 اپریل 48ء کو، دوسری قرارداد 13 اگست 48ء کو تیسری قراراداد 5 جنوری 49ء کو اور اس طرح کل ملا کر 18 قراردادیں پاس کی گئی ہیں جن پر بھارت اور پاکستان دونوں نے دستخط کیے ہیں۔ عالمی برادری ان قراردادوں کی گواہ ہے۔ ان قراردادوں کو ٹھکرا کر اور فوجی طاقت کی بنیاد پر اس متنازعہ خطہ پر قابض ملک کو اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل میں مستقل نشست کی سفارش کرنا، عدل وانصاف اور انسانی حقوق کی بدترین پامالی ہے، جو آنے والی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہوگا۔

True, our constitution in its present form does not contemplate any change in our national boundary. The same was true of the constitution of Canada. Still in 1992, on the eve of the plebiscite in Quebec, the supreme court of Canada opened that no law no constitutional provision can stand for long in the way of the fulfillment of the sustained urge of a people. The Quebecans rejected the option of secession by a hair-thin majority, but the option was given. Then, why do we find fault with what Prof. Radha Kumar has said in good faith?

SAIRA ABBASI

Prof. A. C. Bose
Welcome Gestures
Kashmir Times 11/11/2010

47ء سے لے کر آج تک گذشتہ 63 برسوں کے دوران میں متنازعہ خطۂ کی اکثریت نے عظیم اور بے مثال قربانیاں دی ہیں اور الحاق کے جواز کو چیلنج کیا ہے۔ آج بھی یہی صورتحال ہے۔ جہاں تک انضمام کا تعلق ہے فوجی قبضے کے دوران میں انضمام کا عمل جاری ہے۔ اس بارے میں قابض فورسز اپنے گماشتوں کے مشوروں اور اجازت ناموں کے محتاج نہیں ہوتے ہیں۔ 28 لاکھ کنال زمین پر قبضہ جمایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جہاں کہیں خالی

زمین خاص طور جنگلات کے دامن میں وہاں جا کر تار بندی کر کے قبضہ کرتے ہیں۔ نہ یہاں کی انتظامیہ اور نہ یہاں کی بے بس اور بے اختیار حکومت ان کو روک سکتی ہے۔ ابھی حال ہی میں ہردوشیوہ سوپور میں دامنِ کوہ میں 18 کنال زمین پر تار بندی کی گئی ہے جہاں ہائی اسکول اور عیدگاہ بھی اس کی گرفت میں آتا ہے۔ DC بارہ مولہ نے اس کی نشاندہی فرمائی ہے۔ انتظامیہ فوجی احکامات کی عمل آوری میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں کرتی اور نہ کبھی کوئی سوال اور اعتراض کرتے ہیں۔

بھارتی فوجی جنگلات کے درخت بے تحاشا صاف کرتے ہیں۔ ضلع کپوارہ میں آرمی کیمپوں میں بینڈ سالمز چالو ہیں۔ اخروٹ، دیودار اور کائرو درخت کاٹ کر کیمپوں میں چرائی کر کے فرنیچر بناتے ہیں اور آرمی والے اپنے اپنے گھروں کو بھیجتے ہیں۔ پنجاب سے سکھ نوجوان ترکھان ان کیمپوں میں کام کرتے ہیں۔ شوپیاں ضلع میں 5,200 کنال جنگلاتی زمین پر قبضہ کرلیا گیا ہے۔ بلڈوزروں سے زمین ہموار کروائی جارہی ہے۔ 3 لاکھ سے 4 لاکھ تک جنگلات کے درخت کٹ جائیں گے۔ سیکورٹی ضرورت ان کے لیے بہت بڑا حربہ ہے، کوئی جنگلات آفیسر رکاوٹ ڈالنے کی جرأت نہیں کرسکتا ہے۔

کردارکُشی اور اخلاقی بے رہ روی کیلئے قابض فورسز منصوبہ بند طریقے پر کام کرتی ہیں۔ شراب عام طور پر کیمپوں سے سپلائی کی جاتی ہے۔ منشیات اور Drugs آرمی اور فوجی کیمپوں سے سپلائی کئے جاتے ہیں۔ اس کے لیے اپنے زرخرید ایجنٹوں سے بھی کام لیتے ہیں۔ لڑکیوں تک کو ان کاموں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ کوئی ان کو روکنے والا نہیں ہے۔ الحاق کی تائید کرنے والوں کی پولیس انکی مددگار ہے۔ پولیس ان سماج دشمن اقدامات کا سدباب کرسکتی تھی لیکن وہ آزادی پسند جوانوں اور لیڈروں کو تشدد اور بربریت کا نشانہ بنانے کے بغیر کوئی اور منصبی ذمہ داری انجام دینے سے فارغ کردی گئی ہے۔ پولیس والوں کے

روزانہ بیانات آتے ہیں کہ ہم لوگوں کے مال وجان کے محافظ ہیں۔ مگر فی الحقیقت وہ نہ صرف لوگوں کے مال وجان، بلکہ امن وسکون اور عزت وعصمت کے غارت گر بن چکے ہیں۔ راتوں کو گھروں میں گھس کر لوگوں کی نیندیں حرام کرتے ہیں۔ زدوکوب کرتے ہیں اور خواتین کے ساتھ زیادتیاں کرنا ان کا مشغلہ بن چکا ہے۔

یہاں کا تعلیمی نظام انضمام کے لیے کام کر رہا ہے۔ جو بھارتی استبداد کے گماشتوں کو نظر نہیں آتا ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنی اصل شناخت کرسیوں کے عوض بیچ دی ہے۔ اُن کو DPS (دہلی پبلک اسکول) کے مالکوں اور منتظمین کا یہ اعلان کیوں کھٹکے گا کہ رمضان کے مہینے میں مسلمان لڑکوں کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ سد بھاونا کے نام پر جو اسکول کھولے جا رہے ہیں وہاں وندے ماترم پڑھوایا جاتا ہے اور وہ مشرکانہ تہذیب کے مسلط کرنے کے منصوبے پر کام کرتے ہیں۔

انضمام نہیں کہنے والوں کی وہ بصیرت کہاں ہے کہ بھارتی انضمام کے عزائم اور ارادوں کو سمجھ سکیں۔

شریکِ حکم غلاموں کو کر نہیں سکتے
خریدتے ہیں فقط اُن کا جوہر ادراک!

ہماری یونیورسٹیاں، صوفی اِزم اور کشمیریت کے نام پر الحاد اور مشرکانہ تہذیب پھیلانے کے ادارے بن چکے ہیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو منشیات کا عادی بنایا جا رہا ہے۔ مخلوط نظامِ تعلیم اخلاقی اقدار کو پامال کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ بن چکا ہے۔ جدیدیت اور مغربی کلچر کو فروغ دینے والے ہمارے دانشور اپنے عہدوں اور منصبوں کے بچاؤ اور تحفظ کے لیے ذہنی ارتداد کے پھیلاؤ میں مددگار بن رہے ہیں۔ اُن کے ناموں سے عامۃ الناس کو دھوکہ دیا جا رہا ہے۔

متنازعہ خطۂ کے آبی وسائل کا قابض قوتیں کھلے عام استحصال کررہی ہیں۔ سیاسی گماشتے اس استحصال کو روکنے کی کوشش نہیں کررہے ہیں بلکہ وہ اپنی نئی نسل کے مستقبل اور معاشی استحکام کو تاراج کرانے میں معاون اور مددگار بن رہے ہیں۔

ماحولیات کو مسموم اور زہریلی فضاؤں میں بدل دیا جارہا ہے۔ گنگوتری میں یاترا کے لیے وقت کا بھی تعین ہے اور یاتریوں کا بھی، بے ہنگم اور بغیر کسی حد بندی کے یاتریوں کا سلسلہ یہاں ہی کیوں جاری رکھا جارہا ہے۔ یہ جبری الحاق کے بعد انضمام کے اقدامات اور خاکے ہیں۔ جن میں گماشتوں کے ہاتھوں رنگ بھرا جارہا ہے۔ ہم یاترا کے ہرگز خلاف نہیں ہیں اور نہ ہمارا دین و مذہب اس کے خلاف ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ پیمانے کیوں مختلف ہیں؟ 2010ء میں 4,35,000 یاتریوں نے امرناتھ گھپا کی یاترا کی۔ ہمارے عوام مبارک بادی کے مستحق ہیں کہ حالات ناخوشگوار اور ہنگامہ خیز ہوتے ہوئے بھی یاترا پُرامن اور بغیر کسی مزاحمت کے انجام پذیر ہوگئی۔ یاتری بھی صحیح سلامت رہے جس کی ہم سب کو خوشی ہے۔ ماحولیات پر کتنے برے اثرات پڑتے ہیں وہی اثرات وقت اور تعداد میں حد بندی کا تقاضا کرتے ہیں۔ جو جبری الحاق کے ماننے والوں کے بس کی بات نہیں ہے۔

متنازعہ خطہ میں بالعموم اور صوبہ جموں میں بالخصوص دیکھا جائے کہ بلا مبالغہ ہزاروں کی تعداد میں Non-state subjects کو State subject certificates دیدی گئی ہیں۔ اس میں گماشتہ سرکاروں کا بنیادی کردار ہے جن کی انتظامیہ آلہ کار بن جاتی ہے اور اقتدار کی کرسیوں پر براجمان لوگ خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں۔ جس طرح 47ء میں جموں کی مسلم آبادی کے قتل عام کے نتیجے میں پورے صوبے میں آبادی کا توازن بگاڑنے اور مسلم اکثریت کو ختم کرکے اور 10/لاکھ کے قریب مسلمانوں کی ہجرت کرنے پر مجبور کرکے انضمام کے عمل کا آغاز کیا گیا تھا۔ وہی پالیسی 63 سال سے اپنائی

جارہی ہے۔ ہمارے یہاں مسند اقتدار پر بیٹھے لوگ اس خوش فہمی میں خود بھی مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی مبتلا رکھنا چاہتے ہیں کہ ہم نے انضمام نہیں کیا ہے۔ فوجی اور جبری قبضے کو الحاق کا نام دیکر مکمل ادغام اور انضمام کی طرف برق رفتاری کے ساتھ بڑھا جارہا ہے۔ تمام ذرائع اور وسائل کو استعمال میں لایا جارہا ہے۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کو سامراجی عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال میں لایا جارہا ہے۔ مظلوموں، محکوموں اور جبر واستبداد کی چکی میں پسنے والوں کی دھیمی اور کمزور آواز کو بھی برداشت نہیں کیا جارہا ہے۔ پرائیوٹ چینلز پر پابندی لگائی جارہی ہے تاکہ قابض فورسز اور More loyal than the king پولیس کی جبر وتشدد کی شرم ناک اور انسانیت سوز کارروائیوں پر پردہ پڑا رہے اور اُس ازلی اور ابدی ڈاکو کی غارت گری کا یہ منظر تاریخ کے صفحات پر پھر سے رقم ہو جائے۔

کہنہ دز دے غارت او برملاست
لالہ می نالد کی داغِ من کجاست!

اُردو متنازعہ خطۂ کی سرکاری زبان قرار دی جاچکی ہے۔ مگر دہلی والوں کے اشاروں پر یہاں کے گماشتے اس زبان کو ہر سطح پر نظر انداز کر کے انگریزی اور ہندی زبان کو فروغ دے رہے ہیں۔ ہم کسی زبان کے خلاف نہیں، مگر اُردو زبان کو منصوبہ بند طریقے پر دفتروں، مدرسوں، کالجوں، یونیورسٹی اور عام بول چال میں اس لیے دھکیلا جارہا ہے کہ برصغیر ہندو پاک میں یہی زبان اسلامی اور دینی لٹریچر کی حامل ہے اور ہماری نئی نسل کو اردو سے محروم رکھ کر اصل میں اسلام اور دینی لٹریچر سے محروم کر کے مشرکانہ تہذیب کو مسلط کرنے کا منصوبہ پیشِ نظر ہے۔

ظلم واستبداد کا چکر:

گذشتہ پانچ ماہ کی تحریک "Go India Go Back" سے پہلے تحریک حریت

نے مکمل فوجی انخلاء کا نعرہ بلند کیا تھا اور وادی کے دس اضلاع میں ضلع وار جلسہ اور احتجاج کے پروگرام انجام دیئے گئے۔ یہاں کی حکومت نے جمہوریت اور آزادی تحریر و تقریر کے سارے دعاوی اپنے فسطائی اور اندھی طاقت کا بے تحاشا استعمال کر کے کھوکھلے بنا دیئے ہیں۔ اس کا سب سے زیادہ اثر اور دباؤ بھارت کے جبری اور فوجی قبضے سے آزادی کا مطالبہ کرنے والوں پر پڑتا ہے، جس کے نتیجے میں پُرامن طریقے پر لوگوں سے رابطہ رکھنے اور اُن تک اپنا موقف پہنچانے کے سارے دروازے اور سارے مواقع چھین لیے گئے ہیں۔ 11 جون 2010ء کے بعد سے گولیوں، اشک آور گیس، لاٹھی چارج اور گلی کوچوں میں گھس کر گھروں پر پتھراؤ کر کے عام لوگوں کی زندگیاں اجیرن بنا دی گئی ہیں۔ 7 نومبر 2010ء تک کے اعداد و شمار state terrorism کی بدترین، انسایت سوز اور شرمناک اقدامات قرار دیئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ شہداء کی تعداد 112 ہے جن میں Teen Agers کی زیادہ تعداد ہے۔ ان کو ہم خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ان کے لواحقین کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ شہداء کو جنت الفردوس میں جگہ ملے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا ہو۔

SAIRA ABBASI

۲۔ زخمیوں کی تعداد 3,520

۳۔ بینائی سے محروم 38

۴۔ گرفتار نوجوان جن میں اسکول و کالج طلباء کی زیادہ تعداد ہے 1040

۵۔ طالب علم جن کو PSA کے تحت پابند سلاسل بنا دیا گیا 52

۶۔ سیاسی قائدین جن کو PSA کے تحت مختلف جیلوں اور تعذیب خانوں میں دھکیل دیا گیا ہے 35

مسلسل جدو جہد کرتے آئے ہیں اور ریکارڑ توڑ قربانیاں بھی پیش کر چکے ہیں، مگر مظلوم قوم مجھے معاف کرے کہ ہم ان قربانیوں کی حفاظت کا فریضہ انجام نہیں دیتے ہیں۔ بلکہ استعماری لوگوں کے فریب اور جھانسے میں آ کر خود اپنی قربانیاں رائگاں ہونے دیتے ہیں۔

عیدالاضحیٰ کی مقدس تقریب نہایت سادگی کے ساتھ منائی جائے۔ جن مسلمانوں پر قربانی واجب ہے وہ قربانی پیش کریں۔ اپنے رشتہ داروں اور ہمسائیوں کو حصہ پہنچانے میں بخل نہ کریں۔ قربانی کے گوشت کے علاوہ بھی مستحق اور محتاج بھائیوں کو نہ بھولیں۔

بستی بستی، قریہ قریہ اور محلہ محلہ بیت المال قائم کرنے کی جو بار بار اپیل کی جاتی رہی ہے اُس پر عمل کر کے غریبوں اور محتاجوں کی مدد کیلئے اپنی سطح پر ذرائع فراہم کر دئے جائیں۔

گھروں میں بچوں اور بچیوں کے چال چلن پر کڑی نظر رکھی جائے۔ وہ آوارہ گردی نہ کریں۔ اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کیا کریں۔ نمازوں کی پابندی کیا کریں۔ روزانہ تلاوتِ قرآن معہ ترجمہ اپنا معمول اور شعار بنائیں۔ بچوں کو شراب نوشی، سگریٹ نوشی اور منشیات سے پرہیز کرنے اور بچے رہنے کی طرف والدین اور اقرباء کو خصوصیت کے ساتھ نگاہ رکھنی چاہیے۔ اسراف اور فضول خرچیوں سے ہر حال میں پرہیز کیا جائے۔ لڑکی اور لڑکا بالغ ہو جائے تو ان کی خانہ آبادی کا فریضہ انجام دیا جائے۔ اس میں تاخیر برتنا ناقابل تلافی اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں اور برائیوں کا مؤجب بن جاتا ہے۔ ان تقریبات میں فضول خرچی اور خواہ مخواہ کے نام ونمود اور دیکھا دیکھی میں اللہ اور رسول ﷺ کی ناراضگی کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ یہ دنیوی اور اُخروی گھاٹے اور خسارے کا سودا ہوگا۔

ہمارے پڑھے لکھے نوجوان بے روزگار ہیں۔ ان کی بے روزگاری کا ہم کو بہت رنج اور قلق ہے اور حلال روزی کے لیے اللہ تعالیٰ اُن کے لیے موقع پیدا کرے، ہماری چاہت اور تمنا ہے۔ قابض فورسز میں بھرتی ہونا، ہمارے جوانوں کی بے روزگاری کا کوئی علاج نہیں

ہے۔ ہم نے گذشتہ 63 سال میں بالعموم اور گذشتہ 20 سال کے عرصے میں بالخصوص ان کے مظالم، نہتوں کا خون بہانا، عصمت اور عزتیں لوٹنا، بستیوں کو اُجاڑنا اور برباد کرنا، معصوم بچوں کے ساتھ غیر اخلاقی اور ناشائستہ سلوک کرنا، کریک ڈاؤن کرنا، گھروں کی تلاشیاں لینا، پتھراؤ کرنا، شیشے توڑنا، کھڑکیاں اور دروازے توڑنا، زن و مرد کو زدوکوب کرنا، طبقہ خواتین کے ساتھ ناشایاں اور اخلاق سوز رویہ اختیار کرنا۔ کیا ہماری عزت مندی اس بات کی اجازت دے گی کہ ہم ان کی صفوں میں شامل ہو جائیں؟ اس کے بعد ہمارے لیے مکمل فوجی انخلاء اور "Go India Go Back" کا نعرہ دینا، مطالبہ کرنا اور اس کے لیے جدوجہد کرنا اور قربانیاں دینا کیا جائز بنتا ہے؟ جان بوجھ کر ظالم قوتوں کا ساتھ دینا، اُن کے ساتھ تعاون کرنا، اُن کے ہاتھ مضبوط بنانا، ان کی صفوں میں شامل ہو جانا، کسی حال میں مظلوم قوم کے لیے روا اور قابل قبول نہیں ہوسکتا ہے۔ ہر حال میں ایسا کرنے سے اجتناب اور پرہیز کرنا چاہیے۔ اللہ پر توکل اور بھروسہ کر کے اور ذرائع اور وسائل کی تلاش میں رہنا چاہیے جو غاصب اور ظالموں کی اعانت اور دائرے سے باہر ہوں۔

یوں تو پوری وادی کو فوجی چھاونی میں بدل دیا گیا ہے مگر کچھ واقعات خصوصیت کے ساتھ نشانہ ظلم و ستم اور جبر و استبداد بنائے جا رہے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ پلہالن پٹن کی بستی اور گردو نواح کے عوام ہیں۔ یہاں 45 دن تک کرفیو رہا ہے۔ اس بستی میں 8 جوان شہید کر دئے گئے ہیں۔ درجنوں زخمی اور درجنوں گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ ان غیور، آزادی اور اسلام پسند عوام، مرد، خواتین اور جیالے سرفروشوں کو ہم عقیدت کا سلام پیش کرتے ہیں۔ ایسا کردار، غیرت مندی، عزم و استقلال، جذبۂ آزادی اور شوقِ شہادت نہ صرف جموں کشمیر کے مظلوم عوام بلکہ پوری انسانی برادری اور ملّت مرحومہ کے لیے وجہ افتخار اور شانِ عظمت ہے۔

عیدالفطر 11 ستمبر 2010 کو لال چوک میں حضرت بل اور عیدگاہ سے نمازی، نماز ادا کرنے کے بعد پُرامن طور جمع ہوئے۔ نمائش گاہ کے قریب ایک سرکاری بلڈنگ میں ایک سازش کے تحت آگ لگوائی جاتی ہے، لوگوں پر الزام عائد کر کے ایسے اجتماعات پر پابندیاں عائد کرنے کا جواز پیدا کیا جارہا ہے۔ قائدین کو جب سے اب تک گھروں میں نظر بند رکھ کر قبرستان کی خاموشی مسلط کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ بتایئے سرکاری سطح پر ان مکروہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا آپ کیسے سدِ باب کریں گے؟ یہ سوالات ہیں جن کے جواب مطلوب ہیں۔ پُرامن اور کھلے عام کام کرنے والے سیاسی راہنماؤں اور کارکنوں کا سایئے کی طرح پیچھا کیا جارہا ہے۔ اُن کے گھروں پر چھاپے ڈالے جاتے ہیں۔ بیٹے کے بدلے باپ، بھائی کے بدلے بھائی یا بہن گرفتار کر لئے جاتے ہیں۔

SAiRA ABBASi

مایوسی کفر ہے:

گذشتہ پانچ ماہ کے دوران میں جو جدوجہد وادیٔ کشمیر میں خاص طور جاری رہی۔ ہے اس کے بارے میں مظلوم قوم کو کسی حال میں مایوس اور بددل نہیں ہونا چاہیے۔ ہماری پہلی کامیابی یہ ہے کہ اتنے طویل عرصہ تک جو جانی اور مالی قربانیاں پیش کی گئی ہیں وہ ہماری محکوم اور غلام قوم کی طرف سے بھارت کے فوجی قبضے سے آزادی کے لیے قربانیوں کا ایک ایسا ریکارڈ ہے جو تاریخ کے اوراق میں نمایاں جگہ پائے گا۔ بشرطیکہ ہم اس کی رکھوالی کریں۔ دوسری کامیابی یہ ہے کہ خود بھارت میں ہمارے حق میں آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ جموں کشمیر کے عوام کے مطالبات کو سُنا جائے۔ ان کو اپنا پیدائشی اور بنیادی حق، حقِ خودارادیت کے استعمال کا موقع دیدیا جائے اور ان کا آزادی کا مطالبہ تسلیم کرلیا جائے۔

21 اکتوبر 2010ء کو دہلی میں (CRPP)، Committee for

Release of Political Prisoners کے اہتمام سے جو پروگرام انجام دیا گیا اس کا اہتمام سید عبدالرحمان گیلانی صاحب نے کیا تھا جو اس کمیٹی کے کنونیئر ہیں۔ اس میں بھارت کی مختلف ریاستوں سے آزادی پسند تنظیموں کی اچھی خاصی نمائندگی تھی۔ خاص طور طلباء اس میں بڑے شوق اور انہماک کے ساتھ شریک ہوئے۔ یہاں تمام مقررین نے کھل کر کہا کہ کشمیریوں کو جدوجہدِ آزادی میں اپنے آپ کو تنہا محسوس نہیں کرنا چاہیے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کے جذبۂ آزادی اور حصولِ آزادی کے لیے آپ کی عظیم اور بے مثال قربانیاں ہمارے لیے بھی Source of Inspiration ہے۔ محترمہ ارون دھتی رائے اور دوسرے مقررین نے ہمارے جوانوں کی حوصلہ افزائی کی اور بھارتی حکومت اور سیاسی قیادت پر زور دیا کہ جموں کشمیر کے عوام کی غالب اکثریت آزادی کا مطالبہ کر رہی ہے۔ ان کے جذبۂ آزادی کو فوجی طاقت کے سہارے دبایا اور زیر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہمارے لیے بہت بڑی کامیابی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مدد اور قوم کی جانی اور مالی قربانیوں کا ثمر ہے۔

چین ایٹمی طاقت اور سب سے بڑی آبادی والا ملک ہے۔ بھارت کے ساتھ اُس کی سرحدیں ہیں مگر بھارت سے مرعوب نہیں ہے۔ وہ بھی ہمارے cause کی کھل کر حمایت کرتا ہے۔ جموں کشمیر کو متنازعہ سمجھتا ہے۔ ہماری پُرامن جدوجہد انشاء اللہ رنگ لا رہی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مایوس اور بددل نہ ہو جائیں۔ عزم واستقلال اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کریں۔

OIC کے ستاون مسلم ممالک متفقہ طور جموں کشمیر کے متنازعہ مسئلہ کو حقِ خودارادیت کی بنیاد پر حل کرنے پر زور دے رہے ہیں۔ قراردادیں پاس کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ ادارہ اس کے لیے اور بھی بہت کچھ کر سکتا تھا مگر کچھ مجبوریاں اور کچھ دباؤ کہ وہ موثر اقدام نہیں کر پا رہے ہیں۔

ابھی حال ہی میں 6، 8 نومبر کو امریکہ کے صدر مسٹر بارک اوبامہ نے بھارت کی سرزمین پر اس حقیقت کا اعلاناً اظہار کیا کہ جموں کشمیر Long Standing Dispute ہے اس کو حل کرنا چاہیے۔ انہوں نے بھارت اور پاکستان پر زور دیا کہ وہ اس دیرینہ مسئلہ کو حل کرنے کی طرف توجہ دیں۔ امریکہ کوئی حل ٹھونسے گا نہیں، البتہ بات چیت میں معاون بنے گا۔

اس طرح عالمی سطح پر مسئلہ کشمیر Focus ہو گیا۔ یہ ہماری پُر امن اور پُر وقار جدوجہد کا نتیجہ ہے جس میں ہمارے جگر گوشوں کا خون اور پوری قوم کی مالی قربانیاں بنیادی سبب اور مؤجب ہیں۔

یہ سب کچھ ہماری Achievements قرار دی جا سکتی ہیں۔ مگر میں اپنی مظلوم قوم کی خدمت میں نہایت دردمندی اور دل سوزی کے ساتھ عرض کروں گا کہ ساری دنیا ہمارے Cause کی حمایت کرے، مگر پھر بھی یہ ظاہری سہارے ہیں اور ایسے سہارے ہمیشہ عارضی اور کمزور ہوتے ہیں۔ ہمارا اصلی پائیدار اور مضبوط سہارا صرف اور صرف رب ذوالجلال کی ذاتِ اقدس ہے۔ اگر اُس کا سہارا اور اُس کی مدد اور نصرت شامل حال ہو جائے تو دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت ہمیں اپنی منزل حاصل کرنے میں رکاوٹ نہیں بن سکتی ہے۔ اس لیے ہمیں انفرادی اور اجتماعی سطح پر اللہ ربّ کائینات کے دربار میں عجز و انکساری کے ساتھ رجوع کرنا ہے۔ گناہوں، کمزوریوں اور کوتاہیوں سے تائب ہونا ہے اور اُس کی بندگی اور اطاعت کا راستہ اختیار کر کے اپنے آپ کو اُس کی مدد اور استعانت کا حقدار بنانا ہے۔ اُس کی مدد مشروط ہے جیسا کہ سورہ النحل کی آخری آیت میں ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ (النحل، ۱۲۸)

اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں“

اس صورتحال کا تقاضا اور پرزور مطالبہ ہے کہ پوری قوم اس سفاکیت کے خلاف سراپا احتجاج بن جائے۔ خاص طور میں ائمہ مساجد اور دینی تنظیموں کے ذمہ داروں سے دردمندانہ اپیل کروں گا کہ وہ خاموش تماشائی نہ بن جائیں، بلکہ وہ کردار ادا کریں۔ جوان حالات میں ہمارے اسلاف نے ادا کیا ہے۔ انہی حالات میں علامہ اقبالؒ نے پکارا ہے:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؓ
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ ودلگیری!

پولیس نے گرفتاریاں کر کے جوانوں کے والدین سے رشوتیں لے کر رہا کرنے کا کاروبار شروع کر دیا ہے۔ مجبوروں کو دھمکیاں دے کر کہا جارہا ہے کہ کسی سے اس کا اظہار نہ کریں اور جوانوں کو پولیس تھانوں میں حاضری دینے کی پابندی عائد کر دی جاتی ہے۔ یہ ہماری اپنی پولیس ہے۔ یہ مہاراشٹر اور مغربی بنگال کے بندوق بردار نہیں ہیں۔ اپنی ہی قوم اپنے ہی ان وردی پوش ''کرم فرماؤں'' سے کیا سلوک کرے۔ بتایئے؟ ائمہ مساجد سے دردمندانہ اپیل ہے کہ ہر نماز جمعہ کے بعد پرامن احتجاج کی قیادت کیا کریں۔ میں انہیں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ کہوں گا کہ یہ عبادت ہے اور جہادِ لسانی ہے۔ ہر نمازِ جمعہ کے بعد خاص طور عید نماز کے بعد لازماً یہ دعائیں مانگیں جائیں:

بار اِلٰہا ہمیں بھارت کے فوجی قبضے سے آزادی عطا کر۔ بار الٰہا ہمیں آزادی برائے اسلام کی نعمت سے نواز دے۔ بار الٰہا ہمیں مظلوموں کی مدد کرنے کی توفیق عطا کر۔ بار اِلٰہا ہمیں اپنے غیر مسلم بھائیوں، بہنوں اور ماؤں کی حفاظت اور رکھوالی کی توفیق عطا کر۔ بار الٰہا ہماری بیٹیوں، بہنوں اور ماؤں کی چادر کو ظالموں کی دست برد سے محفوظ رکھ دے۔ آمین یا ربّ العالمین!

سید علی گیلانی کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، پھر بھی......

سید علی گیلانی (اسلامی انقلاب اور آزادی کے نقیب، برصغیر کے منجھے ہوئے سیاست دان، شعلہ بیان مقرر اور روح دین پر گہری نظر رکھنے والی شخصیت) 29 ستمبر 1929 کو زوری منز تحصیل بانڈی پورہ میں پیدا ہوئے 1950ء میں آپ کے والدین نے زوری منز سے ڈورو سوپور ہجرت کی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم پرائمری سکول بوٹنگو سوپور میں حاصل کی اُس کے بعد آپ نے گورنمنٹ ہائی سکول سوپور میں داخلہ لیا۔ اُس کے بعد آپ نے اورینٹل کالج لاہور سے ادیب عالم اور کشمیر یونیورسٹی سے ادیب فاضل اور منشی فاضل کی ڈگریاں حاصل کیں۔ 1949ء میں بحیثیت اُستاد آپ کا تقرر ہوا اور آپ نے بحیثیت سرکاری استاد 12 سال تک وادی کے مختلف اسکولوں میں اپنی خدمات انجام دیں۔ 1953ء میں آپ جماعت اسلامی کے رکن بن گئے۔ سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دیکر آپ جماعت اسلامی کے ہمہ وقتی کارکن بنائے گئے۔ آپ پہلی بار 28 اگست 1962ء کو گرفتار ہوئے اور 13 مہینے کے بعد جیل سے رہا کیے گئے۔ مجموعی طور آپ نے زندگی کے 14 سال سے زائد بھارتی سامراج کے خلاف آواز بلند کرنے کی پاداش میں ریاست اور ریاست کے باہر مختلف جیلوں میں گذارے مگر خدا کے فضل و کرم سے اپنے بنیادی اور اصولی موقف پر چٹان کی طرح جمے رہے۔ آپ 15 سال تک اسمبلی کے ممبر رہے۔ آپ ریاستی اسمبلی کے لئے تین بار 72ء، 77ء اور 1987ء میں اسمبلی حلقہ سوپور سے جماعت اسلامی کے منڈیٹ پر منتخب ہو گئے۔ 30 اگست 1989ء کو اسمبلی کی رُکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ آپ نے جماعتِ اسلامی میں مختلف مناصب پر، امیرِ ضلع، ایڈیٹر اذان، قیم جماعت اور قایمقام امیر جماعت کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دی ہیں۔ 7 اگست 2004ء کو جماعت اسلامی کے ساتھ ایک تحریری مفاہمت کے بعد آپ نے تحریک حریت کو معصہ شہود پر لایا اور تب سے آپ تحریک حریت کے چیرمین اور ساتھ ہی حریت کانفرنس کے چیرمین بھی ہیں۔ آپ رابطہ عالم اسلامی کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ آپ تیس سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں روداد قفس، قصہ دَرد، صدائے درد، مقتل سے واپسی، دید و شنید اور فکر اقبال پر شاہکار کتاب، روح دین کا شناسا اول و دوم، پیامِ آخرین وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ آپ مختلف جسمانی عوارض میں مبتلا ہیں۔ پیس میکر لگا ہوا ہے، جسم بغیر گال بلیڈر کے، اور خاص کر سب سے پہلے ایک گردہ نکالا گیا اور اُس کے بعد دوسرے گردے کا 1/3 حصہ بھی آپریشن کر کے باہر نکالا گیا۔ اب صرف فضل ایزدی سے ہی آپ اس مظلوم ملت کو بھارت کے جابرانہ قبضہ سے نجات دلانے میں مصروف جدوجہد ہیں باطل قوت نے آپ کو راستے سے ہٹانے کے لئے ایک درجن سے زیادہ قاتلانہ حملے کیے۔ **مگر**

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ "اللہ ہی بہتر محافظ ہے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے"

Designed By: ibrjamal38@gmail.com